۱۳۵۶
ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

جلد ۱۱ - عدد ۶

۷۸۶

ماہنامہ

ترجمان القرآن

علوم قرآنی و حقائق فرقانی کا ذخیرہ

مرتبہ

سید ابوالاعلیٰ مودودی

دار الاسلام (پٹھان کوٹ۔ پنجاب)

قیمت سالانہ (صہ/ر)

قیمت فی پرچہ ۸ر

مسلمان

اور

موجودہ سیاسی کشمکش

اس کتاب میں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی ایڈیٹر ترجمان القرآن کے وہ سیاسی مضامین جو موصوف نے رسالہ ترجمان القرآن کی اشاعتہائے سابقہ میں محرم سنہ ۱۳۵۶ھ سے رجب سنہ ۱۳۵۶ھ تک لکھے تھے، ایک جگہ جمع کرکے شائع کیے گئے ہیں۔ یہ کتاب اصل میں اسلامی ہند کی گذشتہ تاریخ، موجودہ حالات اور مستقبل کے امکانات پر ایک مدبرانہ و مبصرانہ تبصرہ ہے، جس سے مسلمانان ہند کے دل و دماغ میں انکے قومی مسئلہ کا ایک نیا تصور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی لکھا پڑھا مسلمان اسکے مطالعہ سے محروم نہ رہنا چاہیے۔ یہ کتاب اصل لاگت پر فروخت کی جارہی ہے۔ ذیل کے نرخوں پر آپ اسے طلب فرما سکتے ہیں۔

ایک روپیہ میں	پانچ نسخے	علاوہ محصولڈاک
نو روپیہ میں	۵۰ نسخے	کرایہ ریل بذمہ خریدار
پندرہ روپیہ میں	۱۰۰ نسخے	״ ״

نوٹ:۔ محصولڈاک فی نسخہ ۱؍ رہے۔ ریلوے پارسل کے ذریعہ کم ازکم ۲۵ نسخے منگوانے میں فائدہ رہتا ہے۔

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے

فہرست مضامین

ماہ ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ - جلد ۱۱ - عدد ۶

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اشارات

شوال کی اشاعت میں اعلان کیا گیا تھا کہ وسط ذی القعدہ ۵۶ھ میں دفتر ترجمان القرآن حیدرآباد سے دارالاسلام منتقل ہو جائیگا۔ لیکن اُس وقت اُن مشکلات کا اندازہ نہ تھا جو بعد میں پیش آنے والی تھیں۔ اگرچہ اعلان کے مطابق ذی القعدہ ہی میں دفتر منتقل کر دیا گیا، اور ذی القعدہ کا پرچہ بھی دارالاسلام سے شائع ہوا، مگر صاحب دفتر کو حیدرآباد کی سرزمین پکڑ کر بیٹھ گئی اور ماہ محرم تک اس کو نہ چھوڑا۔ جن لوگوں کو ترکِ وطن کی مصیبت سے کبھی سابقہ ہوا ہے وہ خود ہی اُن مشکلات کا اندازہ کر سکتے ہیں جو مجھے پیش آئی ہونگی۔ دس سال تک جو شخص ایک جگہ رہا ہو، اور من کل الوجوہ اس کو وطن بنا چکا ہو اس کے لیے یکایک اپنا گھر بار اٹھا کر ڈیڑھ ہزار میل دور لے جانا بہرحال کچھ نہ کچھ پریشانیوں کا موجب تو ہونا چاہیے۔ چنانچہ یہ پریشانیاں پیش آئیں اور انہی کی وجہ سے ذی الحجہ اور محرم کے پرچے شائع نہ ہو سکے۔

رسالہ کے ناظرین کو پہلے ہی سے پرچہ کے بروقت شائع نہ ہونے کی شکایت تھی۔ اب اتنے طویل التوا نے ان کو بالکل بے صبر کر دیا اور دفتر میں شکایات کے انبار لگ گئے۔ میں درحقیقت اس بات پر بہت شرمندہ ہوں کہ خریداروں کو بار بار شکایت کا موقع ملتا ہے۔ لیکن اگر اس رسالہ کے ناظرین میں یہ احساس پیدا ہو چکا ہے کہ وہ محض رسالہ کے خریدار نہیں ہیں بلکہ میرے رفیقِ کار ہیں تو انکا رفیق ان سے توقع رکھتا ہے کہ وہ اسکی مشکلات میں شکایت سے زیادہ ہمدردی سے کام لینگے۔

اگر کوئی غیر متوقع صورت نہ پیش آئی تو انشاء اللہ ذی الحجہ، محرم، اور صفر کے پرچے پے در پے

شائع کرکے، ربیع الاول سے رسالہ کی اشاعت ٹھیک وقت پر ہونے لگے گی، وما توفیقی الا باللہ

ماہ فروری کے معارف میں جناب مولانا سید سلیمان ندوی نے ترجمان القرآن اور اسکے ایڈیٹر، اور دارالاسلام کی تجویز کا جس ہمدردانہ اور پُرخلوص انداز کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، اسکے لیے میں ان کا تہ دل سے شکرگذار ہوں - اپنی کوتاہیوں اور کمزوریوں کو جاننے کے باوجود میں نے اب جن ذمہ داریوں کا بار اٹھانے کی ہمت کی ہے، ان کو سنبھالنے اور ان سے سبکدوش ہونے کے لیے میں ہندوستان کے معدودے چند بزرگوں کی اخلاقی اعانت پر اعتماد رکھتا ہوں اور ان میں سے ایک مولانا بھی ہیں - اپنی قدیم نیاز مندی کی بنا پر میں انکی عنایات و توجہات کا صرف متوقع ہی نہیں ہوں، بلکہ شائد حقدار بھی ہوں -

---

اسی سلسلہ میں مولانا نے دو چیزوں کی شکایت بھی فرمائی ہے -

پہلی شکایت کی بنا یہ ہے، کہ گذشتہ ماہ شعبان کے اشارات میں مولانا کی اُس تقریر سے ایک اقتباس کرکے درج کیا گیا تھا جو انہوں نے مدراس میں ارشاد فرمائی تھی اور انصاری، الجمعیت، مدینہ اور بعض دوسرے اخبارات میں شائع ہوئی تھی - میرے نزدیک وہ تقریر مفادِ اسلامی کے خلاف تھی اسلیے میں نے اپنا فرض ادا کرنے کی خاطر اس پر تنقید کی - مولانا کو اس پر یہ شبہ ہوا کہ شائد میں بھی ان لوگوں میں شامل ہو گیا ہوں جن کیلیے پروپیگنڈا ایک فن (؟ فن ہی نہیں پیشہ) کی حیثیت اختیار کر چکا ہے"، اور یہ کہ میں نے قصداً انکی ذاتِ گرامی پر حرف لانے کے لیے ان کے ارشادات کی " تردید میں ان موشگافیوں اور نازک استنباطوں سے کام لیا ہے جو کہنے والے (یعنی خود مولانا) کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں"۔

اگر اسکے ساتھ ہی مولانا تھوڑی سی مزید تکلیف گوارا فرما کر یہ بھی لکھ دیتے تو بہتر ہوتا کہ جو فقرے میں نے اپنے مضمون میں نقل کیے ہیں، آیا وہ انہی کے ہیں یا غلط طور پر انکی طرف منسوب کیے گئے ہیں، اور اگر وہ

انہی کے ہیں تو ان کا صحیح مطلب کیا ہے - اس صورت میں مجھے اپنی غلطی معلوم ہو جاتی، اور میں کھلے دل کے ساتھ انکی خدمت میں معافی کی درخواست پیش کرتا - لیکن بحالتِ موجودہ میں یہ کہنے پر پھر مجبور ہوں کہ مولانا نے اپنی مدراس کی تقریر میں (جسکی شائع شدہ رپورٹ کے صحیح ہونے سے اب بھی انہوں نے انکار نہیں فرمایا ہے) جو کچھ فرمایا تھا وہ نامناسب تھا، اور امتِ مسلمہ کے ایک ذمہ دار فرد ہونے کی حیثیت سے جو فرائض مولانا پر عائد ہوتے ہیں انکے لحاظ سے وہ اور بھی زیادہ قابلِ اعتراض تھا۔

میں یہ سمجھنے سے بالکل معذور ہوں کہ اس نازک دور میں ہمارے ذمہ دار رہنماؤں، اور خصوصاً کانگریس کی طرف میلان رکھنے والے بزرگوں نے مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے تحریر کے بجائے تقریروں اور پرائیویٹ صحبتوں کو کیوں پسند فرمایا ہے - اگر وہ واضح طور پر اپنے خیالات تحریر فرمائیں تو معلوم ہو سکتا ہے کہ انکے پاس کیا دلائل ہیں - اس صورت میں ایک مستند بیان کی بنیاد پر اچھی طرح بحث کی جا سکتی ہے، اور صحیح کو غیر صحیح سے منقح کر کے عام مسلمانوں کے سامنے ایک شاہراہِ مستقیم پیش کی جا سکتی ہے - لیکن وہ تحریر میں تو اپنے خیالات پیش نہیں کرتے اور منتشر طور پر جلسوں میں تقریریں کر دیتے ہیں پہلے تو خود سامعین کے خیالات میں ان تقریروں سے انتشار پیدا ہوتا ہے - پھر انکی غیر مستند رپورٹیں اخبارات میں شائع ہوتی ہیں اور ان سے مزید انتشار رونما ہوتا ہے - جو لوگ ان سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں وہ انہیں مسلمانوں میں لیے پھرتے ہیں کہ دیکھو فلاں عالمِ دین اور فلاں بزرگ قوم بھی وہی کہتے ہیں جو ہم کہہ رہے ہیں - جو لوگ ان سے اختلاف رکھتے ہیں وہ محض اس خیال سے تنقید کی جرأت نہیں کر سکتے کہ کہیں رپورٹ غلط نہ ہو اور بعد میں تردید نہ ہو جائے - اس طرح یہ ناقابلِ اعتبار تقریریں بلک میں پھیلتی رہتی ہیں اور فاضل خطیب خاموشی کے ساتھ ان کو دیکھتے رہتے ہیں - تردید اور توجیہ کی ضرورت ان کو صرف اس وقت محسوس ہوتی ہے جب اس قسم کی "ایک آدھ ناتمام تقریر" کے برے اثرات

کو دیکھ کر کوئی شخص مجبوراً اس پر تنقید کرتا ہے - یہ طریقِ کار جن بزرگوں نے اپنے لیے پسند کیا ہے ، میرے نزدیک تو وہ غالباً اپنی ذمہ داریوں کے احساس سے غافل ہیں - انہوں نے شاید ابھی تک یہ محسوس ہی نہیں کیا ہے کہ مسلمان اس وقت کیسی خطرناک پراگندہ خیالی میں مبتلا ہیں ، اور اس حال میں ان کو واضح رہنمائی کی کس قدر سخت ضرورت ہے۔

کاش میری ہی تنقید کا یہ اثر ہوتا کہ مولانا اپنے خیالات تفصیل کے ساتھ بیان فرما دیتے - لیکن انہوں نے بس اتنا لکھ کر بحث ختم کر دی کہ "مجھے ان سے کے (یعنی ایڈیٹر ترجمان القرآن سے) مقدمات اور اصل مقصد سے پورا اتفاق ہے ، اختلاف ہے تو ان کی تحریر کے نتائج اور طریقِ کار سے" - میں نے اس فقرے سے روشنی حاصل کرنے کی بہت کوشش کی ، مگر مجھے کچھ نہ معلوم ہو سکا کہ میری تحریر کے کن نتائج سے کیا اور کیوں اختلاف ہے اور میرا طریق کار اگر پسند نہیں ، تو اس سے بہتر کیا طریق کار مولانا کے پیش نظر ہے ، اور اس کو بیان کرنے کے لیے اور کس وقت کا انتظار ہے -

---

مجھے یہ اعتراض صرف مولانا سید سلیمان ندوی ہی پر نہیں ہے ، بلکہ صفِ اول کے اُن تمام علماء پر ہے جو اپنی عملی جدوجہد یا زبانی ہمدردی سے مسلمانوں کو ہندوستانی قومیت اور ڈیماکریسی کے خطرناک جال کی طرف ہانکے لیے جا رہے ہیں ، یا اس جال میں ان کو پھنستے ہوئے خاموشی کے ساتھ بیٹھے دیکھ رہے ہیں - ان میں سے ایک بزرگ نے بھی آج تک مسلمانوں کو یہ نہ بتایا کہ جس راستہ کی طرف وہ انہیں دعوت دے رہے ہیں ، یا جس راستہ پر انکے جانے کو گوارا کر رہے ہیں ، اسکے صراطِ مستقیم ہونے پر کیا دلائل انکے پاس ہیں - مولانا ابوالکلام جنکی سابقہ خدمات کے اعتماد پر بہت سے مسلمان آج آنکھیں بند کر کے انکے پیچھے چلے جا رہے ہیں ، انکی ایک آدھ تحریر اور "ایک آدھ ناتمام تقریر" کے سوا آج تک کوئی چیز سامنے نہیں آئی ، اور لطف یہ ہے کہ جو چیز سامنے آئی ہے اس میں بھی بجز خطابت اور سفسطہ کے کسی معقول استدلال کا نام و نشان تک نہیں پایا جاتا - مولانا حسین احمد صاحب جنکے علم و فضل ، تقویٰ و طہارت ،

ایثار و فدویت، اور مرکزی شخصیت کے اعتماد پر علماء کا ایک بڑا گروہ راہِ راست سے ہٹ گیا ہے، معتقدین اور مقلدین کے سامنے تو بہت کچھ فرماتے ہیں، مگر ناقدین کے سامنے کوئی مستند اور مفصل بیان پیش کرنے کی آجتک انہوں نے تکلیف نہ فرمائی۔ انکے بعض مکتوبات کبھی کبھی اخبارات میں شائع ہو جاتے ہیں، مگر ان کو پڑھ کر یہ شبہ اور زیادہ قوی ہو جاتا ہے کہ مولانا حالاتِ حاضرہ سے قطعاً بے خبر ہیں اور انہوں نے ابتک یہ سمجھا ہی نہیں کہ واقعات کی رفتار ہندوستان کو کدھر لیے جا رہی ہے، اور مسلمانانِ ہند کے قومی مسئلہ نے اب کیا نوعیت اختیار کر لی ہے۔ مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب جنکی ذمہ داری بحیثیت صدر جمعیت علمائے ہند سب سے بڑھ کر ہے، بالکل خاموش ہیں، اور جمعیت العلماء کے ارکان اپنے اپنے ذاتی رجحانات کی بنا پر جدھر منہ اٹھ رہا ہے چلے جا رہے ہیں، گویا کہ جمعیت واقع میں ختم ہو چکی ہے، مگر اس کا نام باقی ہے اور اس نام سے ہر شخص کو حسبِ منشاء فائدہ اٹھانے اور مسلمانوں کی رائے پر اثر ڈالنے کا اختیار حاصل ہے۔ جمعیۃ العلماء نے آجتک کانگریس کی غیر مشروط شرکت اور مسلم ماس کانٹیکٹ کی حمایت کا فیصلہ نہیں کیا۔ مگر جمعیت کا اخبار اور جمعیت کے ممتاز ارکان اور اس کے ذمہ دار کارکن مسلمانوں کو اس مہلک راستے کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں اور مسلمان سمجھ رہے ہیں کہ یہ جمعیت کی پالیسی ہے۔ یہ آخر کیا صورتِ حال ہے اور کب تک جاری رہیگی؟ ان بزرگوں کے مراتب عالیہ کا احترام مانع نہ ہوتا تو میں انکو چیلنج دیتا کہ اگر آپ کے پاس کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ یا بدرجۂ آخر عقل ہی سے اس طرزِ عمل کیلیے کوئی دلیل ہے تو اسے سامنے کیوں نہیں لاتے تاکہ ہم بھی اسے دیکھیں اور حق ہو تو اسکا اتباع کریں۔ اور اگر آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں، اور محض اپنے نفس کے رجحانات ہیں تو آپ کو

۱؎ مولانا کی اس بے خبری کو دور کرنے کے لیے متعدد چیزیں انکی خدمت میں پیش کی گئیں تاکہ وہ ان کو پڑھ کر رائے قائم فرمائیں۔ مگر ہمیشہ یہی معلوم ہوا کہ مولانا کو ان کے پڑھنے کی فرصت نہیں ملی۔ سوال یہ ہے کہ جب مولانا کو مطالعہ کیلیے فرصت نہیں ملتی تو قوم کی رہبری کے لیے کیوں فرصت مل جاتی ہے؟ حالات زمانہ اور مسائل وقت سے بے خبر رہ کر قوم کی رہبری کرنا ایک امر عجیب ہے!

کیا حق ہے کہ اس قوم کو اپنے رجحاناتِ نفس کے اتباع کی دعوت دیں جو آپ پر عالم دین ہونے کی حیثیت سے بھروسہ کرتی ہے، نہ کہ عمرو زید ہونے کی حیثیت سے۔

میں ان لوگوں میں سے نہیں ہوں جنہوں نے پروپیگنڈا، اور شخصی نزاعات اور سب و شتم کو اپنا پیشہ بنالیا ہے۔ بزرگان قوم کی پگڑیاں اچھالنے والوں، اور سیاسی اختلافات کو ذاتی عداوت میں تبدیل کرنے والوں کی روش سے میں ہمیشہ بیزار رہا اور آج بھی بیزار ہوں۔ جو لوگ مجھے جانتے ہیں وہ اس حقیقت کو بھی جانتے ہیں۔ میرے لیے اس سے بڑھ کر کوئی تکلیف دہ بات نہیں ہوسکتی کہ اپنی قوم کے جن اکابر کا انتہائی احترام میرے دل میں ہے، ان کے خلاف زبان کھولوں۔ اکابر قوم تو درکنار ایک عامی مسلمان کی عزت بھی میرے لیے نہایت بیش قیمت ہے۔ لیکن صرف دو چیزیں ہیں جو مجھکو اس وقت زبان کھولنے پر مجبور کر رہی ہیں۔ ایک یہ کہ میرے نزدیک خدا کا دین اور اسکی امت مسلمہ کا مفاد دنیا کی ہر شے اور ہر تعلق سے زیادہ قیمتی ہے، اور جب میں دیکھتا ہوں کہ کوئی شخص دانستہ یا نادانستہ اسکو نقصان پہنچا رہا ہے تو میں اسکی مزاحمت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں، خواہ وہ میرا قریب ترین عزیز ہو، دوست ہو، استاد ہو یا میری قوم کا کوئی بڑے سے بڑا آدمی ہو۔ اس معاملہ میں کسی تعلق یا کسی نیازمندی کی پرواہ کرنے سے میں بالکل معذور ہوں۔ جس کسی کو میرے اس طرز عمل سے تکلیف ہو وہ اگر اپنا حق پر ہونا دلیل سے ثابت کردیگا تو میں نہ صرف اپنی غلطی کا اعتراف کرونگا، بلکہ نہایت ادب سے معافی بھی چاہونگا خواہ وہ دنیوی لحاظ سے حقیر ترین آدمی ہو۔ اور اگر وہ مجرد شکایت کریگا تو میں صاف عرض کرونگا کہ حق کے معاملہ میں بڑے اور چھوٹے، اپنے اور پرائے کی تمیز سے مجھے معاف رکھا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جس شخص کو میں کسی دینی یا قومی معاملہ میں غلطی کرتے ہوئے دیکھتا ہوں، خود اسکی عاقبت کا خیال مجھے مجبور کرتا ہے کہ دنیا ہی میں اس کو اصلاح کی طرف لانے کی کوشش کروں

میرے نزدیک ہر مسلمان کا اور خصوصاً مسلمانوں کے علماء اور اکابر کا میرے اوپر یہ حق ہے کہ ان کو ایسی غلطیوں سے بچانے کی کوشش کروں جنکے متعلق میں اپنی تحقیق کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ خدا کے ہاں وہ ان پر ماخوذ ہونگے، اور یہی حق میرا بھی دوسروں پر ہے، اگر وہ اپنی ذمہ داری کو سمجھیں - لوگوں کو میری نیت پر شبہ کرنے کا اختیار ہے، مگر میرا ضمیر اپنی جگہ مطمئن ہے کہ میں جس سے اختلاف کرتا ہوں اسکی بھی خیر خواہی میرے دل میں ہوتی ہے، نہ کہ بدخواہی -

---

اس وقت میں علیٰ وجہ البصیرت یہ سمجھ رہا ہوں کہ جو لوگ ہندوستان کے آٹھ کروڑ مسلمانوں کو انکی تاریخ کے اس نازک ترین دور میں اُس راستہ کی طرف لے جا رہے ہیں جس میں انکے جان و مال کا نہیں بلکہ ایمان اور اخلاق کا زیاں ہے، وہ اتنے بڑے گناہ کا ارتکاب کر رہے ہیں کہ شائد قیامت کے روز خدا کی میزان میں وہ اپنی عمر بھر کی عبادتوں اور اپنی تمام دینی خدمات کو اس ایک گناہ کی بدولت ضائع ہوتے دیکھ کر ھک دک رہ جائینگے - اسلیے سراسر انکی خیر خواہی کا جذبہ مجھے یہ کہنے پر مجبور کرتا ہے کہ حق اور باطل کے فیصلہ کو اُس روز کے لیے نہ چھوڑو جب تلافی کا وقت باقی نہ رہیگا - خدا کی کتاب، اسکے رسول کی سنت، اور اسکی دی ہوئی عقل، تینوں چیزیں احقاق حق و ابطال باطل کیلیے یہیں موجود ہیں - آؤ! ان کے ذریعہ تحقیق کرلیں کہ حق کیا ہے - اُس شخص کی طرح نہ ہو جسکے متعلق قرآن میں آیا ہے کہ وَاِذَا قِیْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ (جب اس سے کہا جائے کہ خدا سے ڈر تو جھوٹی عزت کا خیال اس کو پکڑ لے اور وہ گناہ پر جما رہے) - خطابت، سخن پروری، سفسطہ، منطقی اینچ پینچ، سب اس دنیا ہی میں چل سکتے ہیں - آخرت میں نہیں چل سکتے - بندوں کا منہ بند کرسکتے ہیں - خدا کا منہ بند نہیں کرسکتے - ہم تم سے وہ جواب نہیں چاہتے جو دنیا والوں کو دے کر چپ کیا جاتا ہے - ہم وہ جواب چاہتے ہیں جو تم نے خدا کی عدالت میں پیش کرنے کے لیے اٹھا رکھا ہے - شائد کہ یہیں اس کی

غلطی واضح کی جا سکے، اور تم خدا کی پکڑ سے بچ جاؤ۔

علماء کا مرتبہ یقیناً بڑا ہے، اور ان کا احترام ہر مسلمان پر واجب ہے، مگر ان کا مرتبہ جتنا بڑا ہے اتنی ہی بڑی انکی ذمہ داری بھی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو انبیائے بنی اسرائیل سے تشبیہ دی ہے، یعنی جس طرح بنی اسرائیل کے انبیاء اپنی قوم کی ہدایت کے ذمہ دار اور اس کے لیے خدا کے سامنے جواب دہ تھے، اسی طرح خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد علمائے اسلام مسلمانوں کی ہدایت کے ذمہ دار ہیں، اور اگر انکی غفلت یا غلط رہنمائی سے مسلمانوں میں کوئی گمراہی پھیلے تو وہ خدا کے سامنے اسکے جوابدہ ہونگے۔ اسی بنا پر حضور نے اپنی امت کیلیے جن تین چیزوں کو سب سے زیادہ خطرناک بتایا ہے ان میں اولین چیز زَلَّةُ العالم (عالم کی لغزش) ہے، کیونکہ عالم کی لغزش ایک پوری قوم کیلیے موجبِ ضلالت بن سکتی ہے۔ اسی بنا پر بزرگوں نے عالم کی لغزش کو کسرِ سفینہ سے تشبیہ دی ہے، کہ جس طرح کشتی کے ٹوٹنے سے اسکے تمام مسافر ڈوب جاتے ہیں، اسی طرح عالم کی غلط روی سے لاکھوں کروڑوں بندگانِ خدا قعرِ ضلالت میں جا گرتے ہیں۔ اور اسی بنا پر اللہ تعالیٰ نے علماء کی خصوصیت یہ بیان فرمائی ہے کہ ان میں خوفِ خدا ہونا چاہیے (اِنَّمَا یَخْشَی اللّٰہَ مِنْ عِبَادِہِ الْعُلَمٰٓؤُا) کیونکہ خدا کا خوف اور یوم الحساب کی بازپرس کا خطرہ ہی انسان کو ضالّ و مضل بننے سے بچا سکتا ہے۔

پس ہندوستان کے جو علماء کرام خدا اور رسول کے ارشادات کو سند میں لا کر دعوے کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی رہنمائی کا اصلی حق انہی کو پہنچتا ہے اور وہی اس قوم کے فطری لیڈر ہیں، انہیں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ یہ حق نرا حق ہی نہیں ہے بلکہ اپنے ساتھ ذمہ داری کا بہت بڑا بوجھ بھی لاتا ہے۔ امتِ محمدیہ کے آٹھ کروڑ افراد کی رہنمائی کوئی کھیل نہیں ہے کہ اس کو انجام دینے میں

سہل انگاری برتی جائے جو برتی جارہی ہے۔ یہ ایسا نازک کام ہے کہ اس میں ذراسی لغزش ایک پوری قوم اور اس کی آئندہ نسلوں کیلئے تباہی اور گمراہی کا راستہ کھول سکتی ہے، اور اپنے مرتکبین کو خدا کے سامنے اس حال میں لیجاکر کھڑا کر سکتی ہے کہ ان کے سر پر صرف اپنے ہی گناہوں کا بوجھ نہ ہو، بلکہ موجودہ اور آئندہ دور میں جو جو مسلمان انکے کھولے ہوئے راستہ پر چل کر بدراہ ہوا اس کے ہر ہر گناہ کا ایک حصہ انکے حسابیں بھی لکھ دیا گیا ہو، اور کروڑوں بندگانِ خدا انکے مقابلہ میں استغاثہ کر رہے ہوں کہ رَبَّنَآ اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا رَبَّنَآ اٰتِهِمْ ضِعْفَيْنِ مِنَ الْعَذَابِ وَالْعَنْهُمْ لَعْنًا كَبِيْرًا۔ ایسے نازک کام کی ذمہ داریوں کا صحیح احساس جن رہنماؤں کے دل میں ہو، ان کے لیے تو راتوں کی نیند حرام ہو جانی چاہیے، ان کو تو ہر وقت تلاش حق میں بے چین رہنا چاہیے، ان کو تو اس خوف سے ہر وقت کانپتے رہنا چاہیے کہ نادانستگی میں وہ امت کو کسی غلط راستے پر نہ چلا لے جائیں، ان کو تو مشکوک راستوں سے بھی بچنا چاہیے، کجا کہ کسی راستہ کی غلطیاں، کسی راستے کے نقصانات، کسی راستے کے خوفناک امکانات ان کے سامنے کھول کھول کر پیش کیے جائیں، ان کو بار بار متنبہ کیا جائے، انہیں سمجھنے یا سمجھا دینے کی پیہم دعوت دی جائے، اور پھر بھی وہ کانوں میں تیل ڈالے بیٹھے رہیں، اور اپنی کرنی سے باز نہ آئیں۔ جب علماء کی یہ روش ہو تو پھر انہیں بھی شکایت نہ کرنی چاہیے اگر قوم کی دوسری روش ہو۔

کلام کی رو میں بات کہیں سے کہیں چلی گئی۔ مجھے ابھی مولانا کی ایک اور بزرگانہ شکایت کا جواب دینا ہے۔

ماہ شوال (جنوری ۳۸ھ) میں "متاعِ کارواں" کے عنوان سے "ساربان" کا جو مضمون

شائع ہوا ہے اسکے صفحہ ۵ ۷ - ۴ ۷ ۲ پر سندر لال جی الٰہ آبادی کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جو انہوں نے ستمبر ۳۶ء میں مہاتما گاندھی کے نام لکھا تھا۔ یہ خط اکتوبر ۳۶ء کے "جامعہ" میں شائع ہوا اور اسکے بعد اردو کے مسئلہ سے دلچسپی رکھنے والے متعدد اخبارات و رسائل میں گشت کرتا رہا۔ اس میں من جملہ اور باتوں کے ایک فقرہ یہ بھی تھا کہ "مولانا سید سلیمان ندوی جیسے ودوان جنہوں نے اپنی یوم النبی کی چھپی ہوئی تقریر میں بجائے حضرت محمدؐ کے سوامی محمدؐ لکھا ہے" مولانا کا ارشاد ہے کہ یہ محض بہتان ہے، انہوں نے کبھی ایسا نہیں لکھا۔

میں اس پر نادم ہوں کہ میں نے تحقیق کیے بغیر اسکی اشاعت کو جائز رکھا۔ یہ فروگذاشت صرف اس وجہ سے ہوئی کہ مولانا نے اسوقت تک اس الزام کی تردید نہیں فرمائی تھی، درانحالیکہ سندر لال صاحب کا یہ خط سال ڈیڑھ سال کی طویل مدت میں اس کثرت سے شائع ہو چکا تھا کہ مولانا اور دار المصنفین کے تمام ارکان کا اس سے بے خبر رہنا متصور نہ تھا۔ تاہم عذر گناہ کا میں قائل نہیں، اپنی غلطی تسلیم کر کے مولانا سے معذرت خواہ ہوں۔

دار الاسلام پہنچنے کے بعد پہلا کام جو کیا گیا وہ یہ تھا کہ یہاں کی مسجد کو اس علاقہ کیلیے مسجد جامع قرار دیکر پانچ پانچ میل تک کے دیہات میں اعلان کرا دیا گیا کہ آئندہ سے وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کیلیے یہاں آیا کریں۔ خطیب کے فرائض میں نے خود اپنے ذمہ لیے، اور نہایت سہل زبان میں، جس کو ایک ان پڑھ دیہاتی بھی سمجھ سکے، خطبات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ الحمد للہ کہ اس کا اثر خاطر خواہ رونما ہوا۔ پہلے جمعہ میں قریب قریب ۵۰ آدمی تھے۔ دوسرے میں ۶۰ آئے، اور تیسرے میں ۱۵۴ تک تعداد پہنچ گئی۔ اردو کے خطبہ سے لوگوں میں اتنی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے کہ ۵ میل کی حد سے باہر کے لوگ بھی خطبہ سننے کیلیے آجاتے ہیں۔ اس سے زیادہ یہ معلوم کر کے خوشی ہوئی کہ دیہات

کے لوگ خطبات کو کافی دلچسپی کے ساتھ سنتے ہیں، سمجھتے ہیں، اور نماز سے واپس جا کر ان کا مفہوم دوسرے لوگوں سے بیان کرتے ہیں۔

یہ مسلمانوں کی تنظیم کا پہلا قدم ہے۔ لوگ پوچھا کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی تنظیم کی صورت کیا ہے؟ اس کا پروگرام کیا ہے؟ یہ کروڑوں کا انبوہ جو لاکھوں مربع میل زمین پر پھیلا ہوا ہے، اسکو آخر کس طرح منظم کیا جائے؟ ان تمام سوالات کی بنا اپنے دین اور اسکے اصول سے ناواقفیت کے سوا اور کچھ نہیں۔ مسلمانوں کیلئے تو حقیقت میں تنظیم کا پروگرام بنا بنایا پہلے سے موجود ہے۔ ہر مسلمان کے اندر منظم ہونے کی فطری استعداد ہر وقت قوت سے فعل میں آنیکے لیے تیار ہے۔ وہ خدا اور رسول پر ایمان لانیکے ساتھ ہی ایک انجمن کا ممبر بن چکا ہے۔ اب اس کے سوا کسی چیز کی حاجت نہیں کہ اسکی ممبرشپ کو تازہ کر دیجیے، اسے یاد دلا دیجیے کہ یہی وہ انجمن ہے جس کا تو ممبر ہے، اور خدا کے مقرر کردہ پروگرام کے مطابق ہر ہفتہ اس کو اپنے مرکز کی طرف سمٹتے رہنے کی عادت ڈال دیجیے۔ جمعہ کی طاقت وہ زبردست طاقت ہے جو آٹھ کروڑ مسلمانوں کو دیکھتے دیکھتے ایک کانگریس بنا سکتی ہے۔ یہ ایسا ماس کانٹیکٹ (ربط عوام) ہے جسکا تصور بھی کسی جواہر لال اور کسی گاندھی کے دماغ میں نہیں آسکتا۔ اسی کے ذریعہ سے آپ جمہور مسلمین کی تمدنی اصلاح، معاشی فلاح، تعلیم عمومی، اور سیاسی تنظیم کے سارے پروگرام بتدریج عمل میں لا سکتے ہیں، بشرطیکہ جمعہ کی طاقت کو سمجھنے والے اور اس سے حکمت کے ساتھ کام لینے والے پیدا ہو جائیں، اور ہمارے نئے تعلیم یافتہ نوجوان اور پرانے گروہ کے علماء، جو خیالاتِ خام کے پیچھے دوڑتے پھر رہے ہیں، ایک ضابطہ کے ساتھ ان تھک کوشش کرنے کیلئے آمادہ ہو جائیں۔ مگر یہ ضرور ہے کہ یہ کام کسان کا سا صبر چاہتا ہے، اور اسے صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جو جلسوں اور جلوسوں

کی چاشنی کے بغیر خشک اور بے مزہ محنت کی تلخیاں اپنے مقصد کی دھن میں گوارا کر سکتے ہوں۔

جو حضرات درحقیقت کچھ کام کرنا چاہتے ہیں، انکو میں مشورہ دونگا کہ اسی طرز پر اپنے حلقوں میں جمعہ کی مرکزیت قائم کرنیکی کوشش کریں، اور اس اجتماع سے، زیادہ سے زیادہ جتنا کام لینا ممکن ہو، لیں۔ میں اپنے خطبات کو بھی نمونہ کے طور پر "ترجمان القرآن" میں شائع کرتا رہونگا۔ ان سے لوگوں کو معلوم ہو گا کہ اختلافی مسائل سے بچ کر خطبۂ جمعہ سے عامۂ مسلمین کو اصولِ دین کی تعلیم دینے اور انکے اندر مسلمان ہونے کا احساس زندہ کرنیکا کام کس طرح لیا جا سکتا ہے۔ اسکے ساتھ ہی یہاں جمعہ کی مدد سے تنظیم و اصلاحِ عوام کا کام جس جس طریقہ سے لیا جائیگا اسکی تفصیلات بھی شائع کی جاتی رہینگی، تاکہ جو لوگ کام کرنا چاہتے ہیں وہ اس طریقہ کی پیروی کر سکیں۔ اس کا یہ مدعا نہ سمجھ لیا جائے کہ لوگ بجنسہٖ انہی خطبوں کو پڑھیں یا ہوبہو ان کاموں کی نقل اتاریں۔ میرا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو اصول اور طریقِ کار سمجھ لینا چاہیے، اور اپنے اپنے مقامی حالات کے لحاظ سے اس کو عمل میں لانا چاہیے۔

اس سلسلہ میں دو چیزوں کی طرف میں علمائے کرام کو خاص طور پر توجہ دلاؤنگا۔

ایک تو دیہات میں نمازِ جمعہ کا مسئلہ ہے، جس کے متعلق فقہائے حنفیہ کے فتوے سے عام مسلمانوں میں سخت غلط فہمیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دیہات کے باشندوں سے جمعہ کا فرض ساقط ہو گیا ہے، اور اقامت جمعہ کیلیے گھروں کی ایک مخصوص تعداد اور منڈی و بازار گویا منصوص ہیں۔ اس چیز نے فرضیتِ جمعہ کے مقصد ہی کو فوت کر دیا ہے، اور اس سے مسلمانوں کی جماعت کو نقصانِ عظیم پہنچ رہا ہے۔ فقہ حنفی پر جہانتک میں نے غور کیا ہے، میرے نزدیک اسکی رو سے یہ بالکل صحیح ہوگا اگر ایک دیہی حلقہ کے مسلمان باہمی اتفاق سے کسی گاؤں کو اغراضِ جمعہ کیلیے مصر جامع قرار دے لیں، چاہے وہاں بازار ہو یا نہ ہو اور مسلمانوں کی آبادی کم ہو یا زیادہ۔ اس قاعدہ کو تسلیم

کر لینے سے یہ فائدہ حاصل ہوگا کہ جگہ جگہ دیہی حلقوں میں مساجد جوامع بن جائینگی اور یہ لکھوکھا مسلمان جو دیہات میں منتشر ہیں، اقامت جمعہ کے ذریعہ سے باہم مربوط ہوتے چلے جائینگے۔ خود متقدمین حنفیہ کا منشا بھی اقامت جمعہ کے لیے مصر کی شرط لگانے سے یہی تھا، اگر الفاظ کی غلامی سے نکل کر مقصد اور روح کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

دوسری چیز خطبۂ جمعہ کی زبان ہے۔ اسمیں شک نہیں کہ علماء کا ایک بڑا گروہ غیر عربی میں خطبہ دینے کو مکروہ سمجھتا ہے، اور جن وجوہ کی بنا پر ان کا یہ خیال ہے وہ بڑی حد تک معقول ہیں۔ لیکن آخر مکروہ اور حرام میں کوئی فرق تو ہونا چاہئے۔ مکروہات کو محرمات کا درجہ دینا درست نہیں۔ شریعت میں یہ اصول مسلّم ہے کہ اگر کسی امر مکروہ سے کوئی بڑی مصلحتِ شرعی حاصل ہوتی ہو تو اسکو اختیار کرنا نہ صرف جائز بلکہ مستحسن بھی ہوسکتا ہے۔ اسی بنا پر بعض بدعات کو حسنات میں شمار کیا گیا، حالانکہ بدعت فی نفسہ مکروہ ہے۔ اب یہ دیکھنا چاہئے کہ اس مصیبت کے وقت میں اگر ہم جمعہ کے غیر عربی خطبہ سے مسلمانوں کی اصلاح و تنظیم کا اچھا کام لے سکتے ہیں تو یہ بدعت آخر کیوں بدعت حسنہ نہیں ٹھیرائی جاسکتی۔ اسکے نقصانات سے اس کے فوائد، دنیوی نہیں بلکہ دینی فوائد.... بہت زیادہ ہیں، اور ایک مکروہ ایسے ہی فوائد کی بنا پر جائز اور مستحسن بن سکتا ہے۔

شوال کی اشاعت میں "دارالاسلام" کا مضمون شائع ہوتے ہی ناظرین ترجمان القرآن میں ایک حرکت پیدا ہوگئی اور اس کثرت سے خطوط آنے شروع ہوگئے کہ جن سے مجھے اندازہ ہوا کہ مسلمان اسوقت ایک صحیح اسلامی عمل کیلئے کسقدر بے چین ہو رہے ہیں۔ میں اسکو ایک فال نیک سمجھتا ہوں۔ پیاس کا احساس ہی پانی کے فراہم ہونیکی تمہید ہے۔ لیکن میں اپنے بھائیوں سے کہونگا کہ زیادہ بے صبری نہ کریں۔ شور و ہنگامہ کیساتھ قوم میں ایک وقتی ہیجان پیدا کر دینے کا طریقہ بارہا آزمایا جا چکا ہے اور ثابت ہو چکا ہے کہ یہ طریقہ قوم کو بنانے میں کچھ بھی کارگر نہیں ہوسکتا۔ اب ہمیں کوشش کرنی ہے کہ صحیح اسلامی اصولوں کے مطابق مضبوط بنیادوں پر ایک تعمیری تحریک اٹھے اور وہ پھیلنے کی اتنی حریص نہ ہو جتنی استحکام کی حریص ہو۔ ہم آگ ضرور لگانا چاہتے ہیں مگر ایسے

مقالات

غیر مسلموں کیساتھ مسلمانوں کا برتاؤ

(از جناب مولوی مشتاق احمد صاحب - مدرسۃ الاصلاح سرائے میر)

انسانی فطرت کے عجائب میں سے یہ بھی ایک بڑا عجوبہ ہے کہ انسان اکثر اپنے عیوب سے بے خبر اور دوسروں کو الزام دینے میں جری ہوتا ہے۔ اپنی آنکھ کا شہتیر تو اسے نظر نہیں آتا، مگر دوسرے کی آنکھ کا تنکا تلاش کرنے میں یکایک اسکی اندھی آنکھ خوردبین بن جاتی ہے، اور جب خوردبینی سے بھی کام نہیں چلتا تو بینائی سے گذر کر خلاقی پر اتر آتی ہے اجب تلاش کیے سے بھی کوئی تنکا اسے نہیں ملتا تو خود پیدا کر کے بتاتی ہے۔

اسپین فتح کر کے مسلمانوں نے کیا کیا اور پھر اسی ملک پر غالب ہو کر فرنگیوں نے کیا کیا؟ صقلیہ پر جب مسلمان حکمراں ہوئے تو وہاں صدیوں تک عیسائی آبادی کتنی رہی اور پھر جب فرنگی اس پر قابض ہوئے تو وہاں کی مسلمان آبادی کہاں چلی گئی؟ یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں نے اپنی حکومت میں کیا سلوک کیا اور فرنگیوں نے کیا کیا اور اب تک کر رہے ہیں؟ غیر قوموں پر قابو

بقیہ مضمون صفحہ ۴۶۱ - حرارت کے زندگی نہیں، مگر ہیں وہ آگ درکار نہیں ہے جو گھر پھونکنے والی ہو، بلکہ وہ آگ درکار ہے جو کھانا پکا سکے، یعنی ضابطہ کے اندر رہنے والی آگ، جسکا ٹمپریچر ضرورت کے مطابق گھٹایا بڑھایا جاسکتا ہو۔ ایسے کام کے لیے سب سے زیادہ نازک وقت، ابتدائے کار ہی کا وقت ہوتا ہے۔ کیونکہ اگر بنیاد کمزور پڑ جائے تو اس پر پوری عمارت کمزور اٹھتی ہے۔ لہذا ہمارے دردمند بھائی ذرا صبر سے کام لیں۔ انشاء اللہ الکریم ایک ایک قدم تدریج اور ترتیب کیساتھ اٹھایا جائیگا، اور ہر قدم اٹھانیکے ساتھ ناظرین رسالہ کو اسکی اطلاع دی جاتی رہیگی۔

پاکر رنگ و نسل کا امتیاز کس نے کیا؟ انکی زبان، تہذیب اور انفرادیت کو کس نے پچلنے کی کوشش کی؟ (Lynching.) جسکا ہم معنی کوئی لفظ عربی، فارسی یا اردو لغت میں پایا ہی نہیں جاتا کس کی ایجاد ہے؟ (Colour bar.) کا موجد کون ہے؟ اپنے عقائد اور اصول سے مختلف عقائد اور اصول رکھنے والوں کو نیست و نابود کرنیکے لیے عدالتیں اور (Concentration camps.) قائم کرنے اور Purge. اور Putsch. کا نامتناہی سلسلہ جاری کرنیکا فخر کسے حاصل ہے؟ یہ چند سوالات ہیں جنکا جواب تاریخ سے پوچھ لو اور خود اس زمانہ میں جرمنی، اٹلی، فرانس، بلجیم، روس، انگلینڈ، ہالینڈ اور امریکہ جیسی مہذب قوموں کے کارناموں میں تلاش کرو پھر ذرا تاریخ سے یہ بھی پوچھو کہ انسان کو شودر بنانیکا شرف کسے حاصل ہوا ہے؟ آدمی کو ملیچھ، راکشس اور پشاچ میں منتقل کرنیوالے کون ہیں؟ پیدائش کے لحاظ سے انسانوں کے طبقات مقرر کرنا کس کی ایجاد ہے؟ آدمی کی خلقی نجاست کا چالیس چالیس قدم تک متعدی ہونا کس نے تحقیق کیا؟ آدمی کا محض ہاتھ لگ جانیسے ایک بڑے کنویں کا ناپاک ہو جانا کس کی دریافت ہے؟ آدمی کے کلام کی نجاست سے بچنے کیلیے اینٹ اور پتھر کو دو آدمیوں کے درمیان بات چیت کا واسطہ بنانیکی نادر تدبیر جنہوں نے ایجاد کی وہ کون تھے؟ پھر ذرا تاریخ سے یہ بھی دریافت کرو کہ بودھ مت کے باشندوں پر برہمنیت کے متبعین جب غالب آئے تو انہوں نے کیا کیا اور ہندوستان پر جب مسلمان حکمراں ہوئے تو انہوں نے کیا کیا؟ اس سوال کو تاریخ کے سامنے بھی پیش کرنیکی ضرورت نہیں۔ ہندوستان کی مردم شماری میں بودھ مت والوں اور ہندوؤں کی آبادی کے اعداد و شمار دیکھ لینا ہی بس کافی ہے۔

ان روشن حقائق کو سامنے رکھ کر جب آپ دیکھینگے کہ وہی لوگ جنکے کارناموں کیطرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے، آج مسلمانوں پر ناروا داری، تنگ نظری، تعصب، خونخواری اور ظلم و ستم کے الزامات رکھتے ہیں، تو آپکو انسانی فطرت کی اس اعجوبگی و طرفگی کا کمال نظر آجائیگا جسکو ہم نے اپنے مضمون کی تمہید میں بیان کیا ہے۔ دیدہ دلیر مجرم کی یہ تعریف سنی تھی کہ وہ الٹا کوتوال کو ڈانٹتا ہے اگر اب ایسے ہوشیار مجرم بھی دیکھنے میں آئے کہ وہ اپنا الزام کوتوال کے سر تھوپ دیتے ہیں، اور معصوم بنکر اس

پہلے فرنگی مصنفین نے صدا بلند کی، اور پھر انکے ہندوستانی شاگردوں نے آواز اُٹھائی کہ اسلام ایک خونخوار مذہب ہے، مسلمانوں کو قتل و خونریزی کی تعلیم دیتا ہے، اسلام کو بجبر دوسری قوموں پر مسلط کیا گیا، غیر قوموں کو مسلمانوں نے ذلیل و خوار کرکے رکھا اور ظلم و ستم سے پامال کیا، وغیر ذالک من الخرافات۔ یہ صور اس طرح پھونکا گیا کہ خود صور پھونکنے والوں کے کارناموں سے دنیا کی توجہ ہٹ گئی، اور سب کے سب اسلام اور مسلمانوں پر پلٹ پڑے، اور خود مسلمانوں میں بہت سے سادہ لوح اس شک میں پڑ گئے کہ کہیں واقعی ہمارا ہی دامن تو داغدار نہیں۔ چنانچہ سرسید اسکول کے مصنفین نے پچھلی صدی میں جس طرح مرعوبانہ انداز سے اسلام اور مسلمانوں کی صفائی پیش کی وہ اس ساحری کے کمالات کی ایک واضح مثال ہے۔

اس مضمون میں ہم صفائی کی نیت سے نہیں بلکہ اظہارِ حقیقت کی غرض سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن نے غیر قوموں کے ساتھ کس قسم کا برتاؤ کرنے کی تعلیم مسلمانوں کو دی ہے، اور مسلمانوں نے اس تعلیم کے مطابق کیسا برتاؤ ان کے ساتھ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ہم جو حقائق بیان کرینگے ان کو پڑھنے کے ساتھ ساتھ اگر ناظرین دوسری قوموں کے پچھلے کارنامے، اور ان کے موجودہ طرزِ عمل کے صریح شواہد کو بھی پیشِ نظر رکھیں، تو ان پر یہ حقیقت کھل جائیگی کہ غیر مسلم قوموں کی حکومت دراصل دنیا کے لیے ایک مستقل عذاب ہے، اور دنیا کو امن و چین صرف اس وقت نصیب ہو سکتا ہے جب قرآنی دستور العمل رکھنے والے انسان روئے زمین پر حکمراں ہوں۔

دنیا کے کسی مذہب کی تعلیمات میں آپ کو یہ قاعدہ نہیں مل سکتا کہ اُس مذہب کے پیرو تمام ان پیشوایانِ مذہب اور تمام ان صحیفوں پر ایمان لائیں جو خدا کی طرف سے دنیا کے کسی ملک اور کسی عہد میں آئے ہوں، اور اسی طرح ایمان لائیں جس طرح وہ خود اپنے نبی اور اسکی لائی ہوئی کتاب پر ایمان لاتے ہیں۔ یہ خصوصیت صرف قرآن کی ہے کہ وہ اپنے پیروؤں سے کہتا ہے کہ

مسلمانو! تمہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ تمام گذشتہ پیغمبروں پر بھی ایمان لانا چاہیے کیونکہ اسلام تمام گذشتہ مذاہب کی ایک تکمیلی شکل ہے، روزِ اوّل سے ایک ہی صداقت اور ایک ہی حقانیت کی تعلیم کے لیے تمام انبیا آتے رہے ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم ان سے الگ کسی نئے مذہب کے بانی نہیں ہیں۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِىَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ

(آل عمران - ۹)

کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے سوا (کسی اور دین کی) تلاش میں ہیں، حالانکہ (جو مخلوقات) آسمانوں میں ہیں اور جو..... زمین میں ہیں چار و ناچار اُسی کے مطیع ہیں، اور اسی کی طرف سب کو لوٹ جانا ہے۔ اے محمدؐ ان سے کہدو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کتاب ہم پر اُتری اُس پر اور جو صحیفے ابراہیم اور اسماعیل، اور اسحٰق اور یعقوب پر اُترے ان پر اور موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو جو کتابیں اس کے رب کی طرف سے دی گئیں ان پر، ہم تو ان پیغمبروں میں سے کسی ایک میں تفریق نہیں کرتے اور اسی ایک خدا کے مطیع ہیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو ہر قوم کے پیغمبر پر ایمان لانا چاہیے۔ یہ حکم تو ان انسانوں کے متعلق ہے جو خدا کی وحدانیت کے قائل ہیں، جو خدا کی عبادت کرتے ہیں، جنکے پاس خدا کی طرف سے انبیاء آئے اور جنہیں آسمانی کتابیں عطا کی گئی ہیں۔ اب اُن انسانوں کے بارے میں بھی اسلام کا آخری حکم سُن لیجیے جو پروردگارِ عالم کی پرستش نہیں کرتے، جو عالم

کائنات کے خالق کے سامنے اپنی پیشانیاں خم نہیں کرتے، جنکی تمامتر توجہات کا مرکز پتھر کی مورتیں ہیں، جو اپنی ہر طرح کی خواہش کی تکمیل اپنے بتوں سے چاہتے ہیں، جنکے نزدیک آفتاب و ماہتاب اور دوسری مخلوقات قابلِ پرستش ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ	اور جنکو یہ لوگ خدا کے بجائے پکارتے ہیں
مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا	انکو گالی مت دو کیونکہ وہ جہالت کی بنا پر حد سے
بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ	گذر کر اللہ کی شان میں گستاخی کرینگے۔ اسی طرح
عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ	ہر طریقہ والوں کو ان کا عمل ہم نے مرغوب بنا
فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ	رکھا ہے۔ پھر ان سب کو اپنے رب کے پاس جانا
(الانعام - ۱۳)	ہے جو ان کے اعمال ان پر ظاہر کرے گا۔

پھر مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ تم غیر قوموں کے ساتھ سختی سے مت پیش آؤ۔ ان کے ساتھ تمہیں حُسنِ سلوک کرنا چاہیئے۔ اگر تم ان کے ملکوں اور خاندانوں میں دعوت و تبلیغ کرنا چاہو تو وہ راہ اختیار کرو جو حکمت اور موعظت کی ہے، جس میں صرف افہام و تفہیم مقصود ہو۔

أُدْعُ إِلَىٰ سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ	اے پیغمبر لوگوں کو حکمت و موعظت کی باتوں
وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ	سے خدا کے راستہ کی طرف بلاؤ اور اگر ان سے
بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ	بحث کرو تو اس طور پر جو احسن و پسندیدہ ہے
أَعْلَمُ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيلِهِ وَ	تمہارا رب خوب جانتا ہے اس شخص کو بھی جو
هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ	اسکی راہ سے بھٹک گیا ہے اور اس کو بھی جو
(النحل - ۱۶)	سیدھے راستہ پر آنے والا ہے۔

مذکورۂ بالا آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسلام غیر اقوام کے ساتھ کس طرح برتاؤ کرنے

کی تعلیم دیتا ہے۔ وہ کسی حال میں یہ جائز نہیں رکھتا کہ مسلمان دوسری قوموں پر زیادتی کریں۔ یا اپنے طرزِ عمل سے ان میں جہالت کا جوش بھڑکائیں، یا حدِ اعتدال سے گذر کر اپنے اخلاق کا کوئی بُرا نمونہ دنیا کے سامنے پیش کریں۔ یہی نہیں، اس سے بڑھ کر وہ کہتا ہے کہ اگر دوسرے تم پر زیادتی کریں، اور ظلم و عدوان پر اتر آئیں تب بھی تم آپے سے باہر نہ ہو، جوشِ انتقام میں انسانیت کی حد سے نہ گذر جاؤ، اور ہر حال میں عدل کو پیشِ نظر رکھو۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ۔ (المائدہ - ۱)

اور انہوں نے جو تمہیں مسجدِ حرام کیطرف جانے سے روکا تھا تو یہ عداوت تم کو ان پر زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کردے۔ تم نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں تعاون نہ کرو۔ اللہ سے ڈرو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ - ۲)

اے اہلِ ایمان! تم خدا کی خاطر حق پر قائم رہنے والے اور انصاف کیساتھ شہادت دینے والے بنو اور کسی قوم کی عداوت تمکو ایسا کٹر نہ بنادے کہ انصاف سے پھر جاؤ۔ نہیں تم انصاف ہی کرو کہ یہی شیوہ پرہیزگاری سے قریب تر ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو کہ اللہ جو کچھ بھی تم کرتے ہو اُسے جانتا ہے۔

وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ

اور بُرائی کا بدلہ اتنی ہی بُرائی ہے جتنی کی گئی ہو پھر جو کوئی معاف کردے اور اصلاح کرے اسکا

اِنَّهٗ لَا یُحِبُّ الظّٰلِمِیْنَ وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ	اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اللہ بے شک ظالموں کو
ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَیْهِمْ مِّنْ	پسند نہیں کرتا - اور جس پر ظلم کیا جائے اور وہ
سَبِیْلٍ اِنَّمَا السَّبِیْلُ عَلَى الَّذِیْنَ	اس کا بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر کوئی گرفت
یَظْلِمُوْنَ النَّاسَ وَیَبْغُوْنَ فِی الْاَرْضِ	نہیں - گرفت صرف ان لوگوں پر ہے جو انسانوں
بِغَیْرِ الْحَقِّ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ	پر ظلم کرتے ہیں اور زمین میں ناحق ناروا زیادتیاں
وَلَمَنْ صَبَرَ وَغَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ	کرتے ہیں - ایسے لوگوں کیلیے دردناک عذاب ہے
عَزْمِ الْاُمُوْرِ (الشوریٰ - ۴)	اور جو کوئی صبر کرے اور معاف کردے تو یہ بڑی ہمت کا کام ہے
قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ	اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو
یُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا اِنَّ	جو تم سے لڑیں، مگر زیادتی نہ کرو کیونکہ اللہ
اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ -	زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا -

(البقرہ - ۲۴)

قرآن حکیم میں جہاں مسلمانوں کو جہاد کیلیے ابھارا گیا ہے وہاں یہ بھی کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہر وقت صلح کیلیے تیار رہنا چاہیے، کیونکہ اسلام کے نزدیک جنگ محض دو وجہوں سے جائز ہو سکتی ہے -

(۱) مدافعت کیلیے -

(۲) اصلاح کیلیے - یعنی دنیا کے اندر امن و سلامتی کا قانون جاری رکھنے کیلیے -

اب اگر ان میں سے کوئی مقصد بغیر جنگ کے حاصل ہو جائے یا کوئی ایسی راہ نکل آئے جو ان مقاصد کے خلاف نہ ہو تو اسے فوراً قبول کر لینا چاہیے کیونکہ شدید ضرورت کے بغیر انسانی خون کا ایک قطرہ بھی بہانا قرآن کے نزدیک جائز نہیں -

وَاِنْ جَنَحُوْا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۞ وَاِنْ يُّرِيْدُوْۤا اَنْ يَّخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ ؕ هُوَ الَّذِىْۤ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهٖ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ (الانفال - ۸)

اگر دشمن صلح کی طرف جھکیں تو تم بھی اس کی طرف جھک جاؤ اور اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ وہ سننے والا اور جاننے والا ہے اور اگر ان کا ارادہ تم سے دغا کرنے کا بھی ہوگا تو تم کچھ پروا نہ کرو) اللہ تمہارے لیے کافی ہے۔ وہی تو ہے جس نے اپنی مدد سے اور مومنین کی طاقت سے تمہاری تائید کی۔

دوسری جگہ ارشاد ہوا کہ جب تمہارے دشمن جنگ سے ہمت ہار بیٹھیں، اور ان میں تلوار اٹھانے اور جنگ کرنے کی سکت باقی نہ رہے اور یہ معلوم ہو کہ وہ تم سے صلح کرنا چاہتے ہیں تو تمہیں اس حال میں ان سے جنگ کرنے کا حق نہیں ہے۔ تم ان پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے بلکہ اس وقت تمہیں فوراً صلح کر لینی چاہیے۔

فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (النساء - ۱۲)

پس اگر وہ تم سے ہاتھ روک کر الگ ہو جائیں اور لڑنا چھوڑ دیں اور تمہارے پاس پیغام صلح بھیجیں تو پھر ان پر دست درازی کرنے کا کوئی راستہ اللہ نے تمہارے لیے نہیں رکھا ہے

پھر حکم دیا کہ اگر دشمنوں میں سے کوئی تمہارے پاس پناہ لینے آئے تو اسے قتل نہ کرو بلکہ اُسے اپنی امان میں رہنے کی اجازت دو اور زمانۂ قیام میں اس کے ساتھ اچھا برتاؤ کرو اور جب وہ اپنے وطن واپس جانا چاہے تو پوری حفاظت کیساتھ اس کے وطن پہنچا دو۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ

اور مشرکین میں سے اگر کوئی شخص تم سے

اِسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ (التوبہ - ۱)

پناہ کا خواستگار ہو تو اس کو پناہ دو تاکہ وہ کلام خدا کو سن لے پھر اس کو اس کے امن کی جگہ پہنچا دو۔ یہ اس لئے کہ یہ لوگ اسلام سے نا واقف ہیں۔ (اس طرح انہیں جاننے اور سمجھنے کا موقع ملیگا)۔

یہ تو وہ صورتیں تھیں جن میں خود دشمن صلح کا خواستگار ہو۔ اب ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں کو کس وقت دشمنوں کے سامنے صلح پیش کرنے کا حکم ہوتا ہے۔

وَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْٓا اِلَى السَّلْمِ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ (محمد - ۴)

اعداء کے مقابلہ میں ضعیف نہ بنو اور انھیں اس وقت صلح کی دعوت دو جبکہ تم غالب و سربلند ہو۔

غور کرو! یہ کتنا بلند اور اعلیٰ درجہ کا اصول ہے۔ آج دنیا کی قومیں اس وقت صلح کرتی ہیں جب ان کے اندر طاقت کم ہوتی ہے، اور وہ دشمنوں سے جنگ کرنیکی قوت اپنے اندر نہیں پاتیں، یا کم سے کم انھیں مقابل کی طاقت سے خطرہ ہوتا ہے۔ اس وقت دنیا کی بڑی بڑی طاقتوں میں صلح کیوں ہے؟ جرمنی، اٹلی، جاپان، فرانس، روس اور برطانیہ ایک دوسرے سے کیوں نہیں لڑتے؟ صرف اس لیے کہ وہ ایک دوسرے کو کھا جانے کی طاقت اپنے اندر نہیں پاتے اور مقابل کی طاقت انکو خوفناک نظر آتی ہے۔ اگر ان میں سے کوئی اتنا طاقتور ہو جائے کہ دوسرے کو بآسانی نگل سکتا ہو، تو وہ اس "کار خیر" میں استخارہ کی بھی راہ نہ دیکھے گا۔ اس کے بالکل برعکس اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ جب تم طاقتور اور بالادست ہو، اس وقت تم صلح کرو۔ جب دوسروں کو پامال کرنے کا زور تم میں ہو، اس وقت تم پامال کرنے سے باز رہو۔ جب تم کھانے اور

نگلنے کا بل رکھتے ہو اس وقت کھانے اور نگلنے کے بجائے امن اور سلامتی قائم کرو۔ اس لیے کہ تم دنیا میں آدم خوری کے لیے نہیں بھیجے گئے ہو بلکہ آدمیت کا شرف قائم کرنے کے لیے بھیجے گئے ہو۔ تم زمین پر خدا کے خلیفہ ہو۔ زمین والوں پر خدا کی لعنت نہیں ہو۔ تمہیں خدا نے اس لئے پیدا کیا ہے کہ اس کی زمین پر عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرو۔[۱]

اب اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت اس بات کیلیے درکار ہے کہ دنیا میں قرآن کے سوا اور کوئی کتاب ایسی نہیں جو عدل اور امن قائم کرنے کے صحیح اصول بتاتی ہو اور متبعینِ قرآن کے سوا اور کوئی اس کا اہل نہیں کہ زمین پر عدل اور امن قائم کرے۔

اس کے بعد یہ دیکھیے کہ جو غیر مسلم قومیں اسلامی حکومت کے دائرے میں آجائیں ان کی جان و مال اور ان کے مذہب اور ان کے اصولِ تہذیب و تمدن کے ساتھ کس قسم کا معاملہ برتنے کی اسلام نے تعلیم دی ہے۔

فتح مکہ سے قبل کوئی ایسی قوم حکومتِ اسلامی کے دائرہ میں داخل نہیں ہوئی تھی جو بحیثیت رعایا کے سمجھی جاتی یا جسے غیر مسلم قوم سے تعبیر کیا جاتا۔ فتح مکہ کے بعد جب اسلام کو عروج ہوا تو بہت سی قومیں اسلامی سلطنت میں داخل ہوئیں اس لیے ضرورت ہوئی کہ ان کے لیے کوئی منظم اصول بنایا جاتے۔ چنانچہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے چند اصول مرتب کیے، جنکی بعد کے خلفاء اور اسلامی بادشاہوں نے پوری رعایت ملحوظ رکھی۔ وہ اصول یہ ہیں۔

(۱) کوئی دشمن ذمی کفار پر حملہ کرے گا تو ان کی مدافعت کی جائیگی۔

(۲) ذمیوں کو ان کے مذہب سے برگشتہ نہیں کیا جائیگا۔

(۳) جزیہ کی ادائیگی کیلیے انھیں محصل کے پاس نہیں جانا ہوگا بلکہ محصل خود جا کر وصول کریگا

---

[۱] یہ خیالات الجہاد فی الاسلام سے ماخوذ ہیں۔ تفصیل کیلیے اصل کتاب کی طرف مراجعت کرنی چاہیئے۔

(۴) ان کی جان و مال کا اسی طرح تحفظ کیا جائیگا جس طرح مسلمان رعایا کی جان و مال کا کیا جاتا ہے۔

(۵) ان کے تجارتی قافلوں کی حفاظت کا باقاعدہ انتظام اسلامی حکومت کریگی۔

(۶) ان کی اراضیات پر کوئی غاصبانہ قبضہ جائز نہ رکھا جائیگا۔

(۷) ان کو اپنی املاک پر پورے حقوق مالکانہ دیئے جائینگے۔

(۸) ان کے مذہبی عہدوں اور مناصب میں کوئی تغیر و تبدل نہ کیا جائیگا۔

(۹) ان کی عبادتگاہوں اور ان کے مذہبی مراسم میں کسی طرح کی دست اندازی نہ کی جائیگی۔

(۱۰) ان پر خود انہی کے مذہبی و تمدنی قوانین نافذ کیے جائینگے، حتیٰ کہ مجوسیوں کے ہاں اگر بہن کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے تو اسلامی حکومت بھی ان کے لیے اس کو جائز رکھیگی۔

(۱۱) ان کے ملکی حقوق (Civil rights.) اور واجبات وہی ہونگے جو مسلمانوں کے ہیں۔ اور فوجداری قانون کی نگاہ میں وہ اور مسلمان مساوی ہونگے۔

(۱۲) ان کی جن ریاستوں کو اسلامی حکومت اپنی حفاظت میں لے گی ان کے علاقہ میں کوئی فوج نہ بھیجی جائیگی۔

(۱۳) ان سے فوجی خدمت نہ لی جائیگی اور نہ جزیہ کے علاوہ کوئی اور رقم انکی حفاظت کے لیے طلب کی جائیگی۔ اور اگر اسلامی حکومت انکی حفاظت سے عاجز ہو تو جزیہ واپس کر دیا جائیگا۔

ان قواعد و ضوابط کا ماخذ وہ اعلانات (Proclamations.) ہیں جو مختلف غیر مسلم آبادیوں کو اپنی حفاظت میں لیتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحریر فرمائے تھے۔ مثال کے طور پر ہم وہ اعلان نقل کرتے ہیں جو نجران کے عیسائیوں کو لکھ کر دیا گیا تھا۔

ولنجران وحاشیتها جوار الله وذمة محمد النبي رسول الله

علی انفسہم وملّتہم وارضہم واموالہم وغائبہم وشاھدھم وعبیدھم ولعبثہم وامثلتہم۔ لا یغیر ما کانوا علیہ ولا یغیر حق من حقوقہم وامثلتہم ولا یفتن اسقف من اسقفیتہ ولا راھب من رھبانیتہ ولا واقہ من رقاھیتہ علی ما تحت ایدیہم من قلیل اوکثیر ولیس علیہم رھق ولا دم جاھلیۃ ولا یحشرون ولا یعشرون ولا یطاء ارضہم جیش ؎۱

یہ چند اصول تھے جنکو آنحضور صلعم نے اسلام کے زیر سایہ رہنے والی قوموں کے لیے مقرر کیا تھا۔ ان قواعد کو سامنے رکھکر غور کیجیے کہ عہد نبوی سے لیکر آج تک جن سلطنتوں نے اپنی محکوم قوموں کے ساتھ انتہائی فیاضانہ برتاؤ کیا ہے، کیا ان میں سے کسی نے بھی اتنے وسیع حقوق و مراعات عطا کیۓ ہیں؟ انگریزی حکومت موجودہ زمانہ کی حکومتوں میں محکوم قوموں کیلیے سب سے زیادہ فیاض مشہور ہے۔ مگر خود دیکھ لیجۓ کہ دونوں حکومتوں کے اصولوں میں زمین و آسمان کا بُعد ہے۔

اب یہ دیکھنا چاہیے کہ یہ جس قدر اصول مقرر کیے گئے تھے ان پر خلفاء اسلام اور مسلمانوں نے کہانتک عملدر آمد کیا۔ سب سے زیادہ اس بحث کے فیصلہ کے لیے جس دور کے واقعات مناسب ہیں وہ دور فاروقی ہے، کیونکہ حضرت عمر فاروقؓ کا زمانۂ خلافت کافی طویل ہے جس میں اسلامی حکومت کے تمام قواعد و ضوابط مرتب اور عملاً نافذ ہو گۓ تھے، اور وہ تصویر مکمل ہو چکی تھی جس کا خاکہ عہد نبوی و عہد صدیقی میں تیار ہوا تھا۔

آج جن قوموں کو اپنے عدل و انصاف پر ناز ہے، جنکو اپنے نظام حکومت پر فخر ہے، وہ بھی

؎۱ کتاب الخراج للامام ابی یوسف ص

عدل اور رواداری کی ویسی مثال نہیں پیش کر سکتیں جیسی فاروقی عہد میں ملتی ہے - مفتوحین کے ساتھ ان کے برتاؤ کو فاروقِ اعظم کے برتاؤ سے کوئی مناسبت نہیں - اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ ذمی اور مسلمان کے خون کی قیمت یکساں ہے - اگر مسلمان کسی ذمی کو قتل کریگا تو وہ اسی طرح قتل کیا جائیگا جس طرح مسلمان کے قتل کی صورت میں ذمی قتل کیا جائیگا - جماعتیں اور قومیں دعوی کرتی ہیں کہ ہم بھی اسی اصول پر قائم ہیں لیکن کیا انگریزوں کا ہندوستان میں اور فرانسیسیوں کا شمالی افریقہ میں یہی عمل ہے ؟ اس کے برعکس مسلمانوں کو دیکھیے کہ یہاں جو اصول پیش کیا گیا اس کے مطابق عمل بھی کر کے دکھادیا گیا - دورِ فاروقی میں ایک مرتبہ قبیلہ بکر بن وائل کے ایک مسلمان نے حیرہ کے ایک عیسائی کو قتل کر دیا - حضرت عمرؓ کو جب اس کی خبر ہوئی تو حکم دیا کہ قاتل کو مقتول کے قبیلہ والوں کے سامنے حاضر کر دیا جائے، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور مقتول کے وارثوں نے اسکو تہ تیغ کر دیا[۱] -

حضرت عمرؓ کے پاس ایک عیسائی غلام تھا - آپ برابر اس کے سامنے اسلام کی خوبیاں بیان کرتے تاکہ وہ اسلام قبول کرے لیکن وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑنے پر آمادہ نہ ہوتا - اگر آپ چاہتے تو اس پر دباؤ ڈال سکتے تھے - مگر آپ نے کبھی اپنا حاکمانہ اثر استعمال نہ کیا - وہ آخر وقت تک آپ کے پاس رہا اور عیسائی رہا -

حضرت عمرؓ کے بعد حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں بھی بالکل وہی طریقہ رہا جو حضرت عمرؓ کے زمانہ میں تھا - دورِ عثمانی میں جبکہ کوفہ کی گورنری پر ولید بن عقبہ مامور تھے ایک یہودی نے شعبدہ بازی کے بہت سے تماشے دکھائے - اس پر جندب بن کعب کو جو مشہور تابعی ہیں خیال ہوا کہ کہیں یہ کوئی فتنہ نہ کھڑا کر دے - چنانچہ انھوں نے یہودی کو قتل کر دیا - ولید نے فوراً ان کی گرفتاری کا حکم دیا - جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے تو ولید بن عقبہ نے یہودی کے قصاص میں انھیں قتل کرنا چاہا - لیکن

[۱] زیلعی، تخریج ہدایہ صفحہ ۳۳۸ و ۳۳۹

اس وقت ایسا کرنے میں بڑا خطرہ تھا، ممکن تھا کہ قتل کے باعث ان کا قبیلہ برانگیختہ ہو جاتا اور اس طرح ایک مہلک جنگ چھڑ جاتی۔ اس لئے ولید نے انھیں قید کرنے کا حکم دیا تاکہ موقع پاکر انھیں قتل کرادے۔ داروغہ جیل کو جندب بن کعب کے حال پر رحم آگیا اور اس نے کہا کہ تم چپکے سے رات کو نکل جاؤ ورنہ قتل کردیے جاؤ گے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ میرے ساتھ اس طرح کی کارروائی ہونے والی ہے تو وہ رات کو قید خانے سے نکل بھاگے۔ صبح جب ولید کو ان کی فراری کی خبر معلوم ہوئی تو داروغہ پر بہت خفا ہوا اور کہا یقیناً قیدی کے بھگانے میں اس کا ہاتھ شریک تھا، اسی کی شرارت سے ایسا ہوا ہے اس لئے اس کے بدلے داروغہ کی گردن زدنی کا حکم دیا اور اس کے حکم کے مطابق داروغہ قتل کردیا گیا[۱]۔ ہم یہاں اس سے بحث نہیں کرتے کہ داروغہ کا قتل غلط تھا یا صحیح۔ ہمیں محض یہ دکھانا مقصود ہے کہ خلفائے اسلام اور مسلمان غیر قوموں کے حقوق کا کتنا پاس کرتے تھے۔

خلیفۂ چہارم سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا صاف اعلان تھا کہ "من کان لہٗ ذمتنا فدمہٗ کدمنا ودیتہٗ کدیتنا"۔ چنانچہ آپ ہمیشہ اسی پر عامل رہے۔ آپ کے زمانے میں ایک مسلمان نے کسی ذمی کو قتل کردیا۔ آپ نے مسلمان کو گرفتار کرکے مقتول کے قبیلہ کے سپرد کردیا۔ قبیلہ والوں نے خوں بہا لیکر قاتل کو رہا کردیا۔ اس پر حضرت علیؓ نے انہیں بلاکر کہا کہ معلوم ہوتا ہے تم لوگ قاتل کے قبیلہ سے ڈر گئے۔ ان لوگوں نے کہا نہیں ہم لوگوں نے اپنی خوشی سے ایسا کیا ہے۔ کسی کے خوف سے ایسا نہیں ہوا ہے[۲]۔

جنگ صفین کی تیاری ہے۔ ٹھیک فوج کی روانگی کے وقت خلیفۂ چہارم کی زرہ کھوئی

[۱] مسعودی ذکر خلافت کتاب الاوائل میں اس واقعہ کو کسی قدر اختلاف کیساتھ نقل کیا ہے۔

[۲] زیلعی صفحہ ۲۸۔

جاتی ہے - جنگ سے واپس آنیکے بعد وہی زرہ آپ ایک یہودی کے پاس دیکھتے ہیں اور جب اس سے زرہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو وہ صاف ..... انکار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ زرہ میری ہے، یہ تو سالہا سال سے میرے پاس ہے - گو آپ کو کامل یقین ہے کہ یہودی سراسر جھوٹ بول رہا ہے اور اس میں آپ کو کسی قسم کا شبہ نہیں کہ زرہ آپ کی ہے، لیکن اس کے باوجود آپ اپنے اختیارات خصوصی سے کام نہیں لیتے، اور رعیت کے ایک معمولی فرد کی طرح عدالت میں دعویٰ دائر کرتے ہیں - قاضی عدل و انصاف کے سامنے یہ نہیں دیکھتا کہ حضرت علیؓ خلیفۂ وقت ہیں - اسے آپ کی شخصیت کا کوئی خیال نہیں ہوتا بلکہ آپ کی جلالت اور مرتبہ کو نظر انداز کر کے قانون کے مطابق آپ سے زرہ کی ملکیت پر شہادت طلب کرتا ہے، آپ اپنے ایک غلام اور اپنے صاحبزادے امام حسنؓ کو شہادت میں پیش کرتے ہیں - قاضی..... صاف کہتا ہے کہ امام حسنؓ کی شہادت اس معاملہ میں معتبر نہیں اس لیے کہ وہ آپ کے بیٹے ہیں اور باپ کے دعوے پر بیٹے کی شہادت تسلیم نہیں کی جا سکتی - یہ عدل دیکھکر یہودی بے ساختہ کلمہ پڑھکر مسلمان ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ جس دین میں یہ عدل و انصاف ہے اور جس کے ماننے والے اس قدر صداقت پرست ہیں وہ یقیناً سچا اور قابلِ اتباع مذہب ہے۔

بعد کے خلفاء کے متعلق بھی تاریخ میں ایسی شہادتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی حکومتوں نے عموماً غیر مسلم رعایا کے ساتھ وہی برتاؤ کیا ہے جسکی تعلیم اسلام نے دی ہے - اور جب کبھی اس سے انحراف کیا گیا، علماء اسلام نے اسکی مخالفت کی - مثال کے طور پر مسجد دمشق کے واقعہ کو لیجیے - جب دمشق میں مسلمان آبادی بڑھی اور ضروریات کے لیے مسجد ناکافی پائی گئی تو حضرت معاویہ بن ابی سفیان نے چاہا کہ کنیسۂ یوحنا کو خرید کر مسجد میں شامل کر لیں - مگر عیسائیوں نے قبول نہ کیا اور حضرت معاویہ خاموش ہو گئے - پھر خلیفہ عبد الملک بن مروان نے

عیسائیوں کو بہت بڑی رقم دے کر کنیسہ لینا چاہا۔ مگر ان کے انکار پر خلیفہ خاموش ہو گیا۔ پھر خلیفہ ولید بن عبد الملک نے اپنے عہد حکومت میں بہت بڑی رقم دے کر کنیسہ خریدنے کی کوشش کی اور جب عیسائی راضی نہ ہوئے تو اس نے جبراً اس کو توڑ کر مسجد میں شامل کر لیا۔ اس کے بعد جب حضرت عمر ابنِ عبد العزیز خلیفہ ہوئے تو انہوں نے حکم دیا کہ مسجد میں جتنا حصہ اس گرجا سے لیکر بڑھایا گیا ہے اسے عیسائیوں کے حوالہ کر دیا جائے۔[۱]

خلیفہ منصور نے جب شہر بغداد کو دار السلطنت بنانا چاہا تو آس پاس کی زمینوں کو غیر قوموں سے قیمت دیکر حاصل کیا اور چپہ بھر زمین بھی کسی ذمی سے نہ چھینی۔[۲]

ولید بنِ یزید نے رومی حملہ کے خوف سے قبرس (Cyprus.) کے باشندوں کو جلاوطن کر کے شام میں آباد کیا تو اس پر فقہائے اسلام سخت ناراض ہوئے اور اسے گناہِ عظیم سمجھا۔ اور جب یزید بنِ ولید نے ان کو پھر قبرس واپس کیا تو عام طور پر اس کی تعریف کی گئی اور کہا گیا کہ یہی انصاف ہے۔[۳] ایک مرتبہ جبل لبنان کے ذمی باشندوں نے بغاوت کی صالح بن علی بن عبد اللہ نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی اور ان کے ہتھیار اٹھانے والے مردوں کو قتل کر کے آبادی کے ایک بڑے حصہ کو جلاوطن کر دیا۔ اس پر امام اوزاعی نے سخت احتجاج کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اسے یاد دلایا کہ "جو کوئی کسی ذمی پر ظلم کریگا اور اسکی طاقت سے زیادہ اس پر بار ڈالے گا اس کے خلاف قیامت کے روز میں خود مدعی بنونگا"۔[۴]

۱؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۳۱ - ۱۳۲ -

۲؎ فتوح البلدان صفحہ ۳۰۳ -

۳؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۶۳ -

۴؎ فتوح البلدان صفحہ ۱۶۹ -

مذہبی معاملات میں بھی اسلام نے غیر قوموں کو جو آزادی دی تھی اس کی نظیر کوئی قوم اور کوئی حکومت نہیں پیش کر سکتی - اوپر وہ اصول بیان ہو چکے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مسلم قوموں کے مذہبی حقوق کے متعلق مقرر فرمائے تھے - ان میں سب سے زیادہ نمایاں چیز یہ ہے وہ اعتقادات اور مذہبی اعمال اور مذہبی قوانین اور مذہبی عبادتگاہوں اور ان کے متعلقہ عہدوں کی کامل آزادی ہے - ان اصولوں کے مطابق عمل کرنے میں اسلامی حکومت نے اتنی راستبازی کا ثبوت دیا ہے کہ اگر کسی مسلمان نے کسی ذمی کی شراب یا اسکے خنزیر کو بھی تلف کیا ہے تو اس کا تاوان ذمی کو دلوایا گیا ہے[1]۔

یہاں ہم مذہبی معاملات کے متعلق وہ چند میثاق نقل کرتے ہیں جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کردہ اصولوں کے تحت اسلامی فرمانرواؤں نے غیر مسلم مفتوحین کو لکھ کر دیئے تھے۔

حضرت ابوبکرؓ کے زمانہ میں جب حیرہ پر مسلمانوں کا تسلط ہوا تو آپ نے وہاں کے عیسائیوں کو یہ میثاق لکھ کر دیا۔

لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة ولا يمنعون من ضرب النواقيس ولا من اخراج الصلبان في يوم عيدهم[2]	ان کے گرجے اور کنیسے نہیں ڈھائے جائیں گے، انھیں سنکھ بجانے اور اپنے تہواروں میں صلیب نکالنے سے روکا نہیں جائیگا۔

مقام عانات پر جب حضرت خالدؓ کو فتح ہوئی تو وہاں کے پادریوں کو آپ نے جو اقرار نامہ لکھ کر دیا اس کے الفاظ یہ ہیں -

[1] درالمختار جلد ۳ ص ۲۷۳ -
[2] کتاب الخراج صفحہ ۸۴ -

لا يهدم لهم بيعة ولا كنيسة على ان يضربوا النواقيس في اي ساعة شاءوا من ليل او نهار الا في اوقات الصلوٰة۔ على ان يخرجوا الصلبان في ايام عيدهم

ان کے گرجے مسمار نہیں کیے جائینگے اوقات نماز کے سوا رات اور دن میں وہ جب چاہیں ناقوس بجائیں اور اپنے تہواروں میں صلیب نکالنے کی ان کو آزادی ہوگی۔

حضرت عمرؓ فاروق نے بیت المقدس کی فتح کے بعد جو اقرار نامہ لکھا وہ بعینہٖ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

اعطاهم امانًا لانفسهم واموالهم ولكنائسهم وصلبانهم وسقيمها وبريها وسائر ملتها انه لا يسكن كنائسهم ولا تهدم ولا ينتقص منها ولا من حيزها ولا من صليبهم ولا من شيء من اموالهم ولا يكرهون على دينهم ولا يضار احد منهم۔

ان کو امان دی، ان کی جان و مال اور ان کے کنیسوں اور صلیبوں اور ان کے تندرستوں اور بیماروں کے لیے یہ امان ایلیا کی تمام ملتوں کیلیے ہے، عہد کیا جاتا ہے کہ ان کے کنیسوں کو مسلمانوں کا مسکن نہ بنایا جائیگا نہ ان کو منہدم کیا جائیگا نہ ان کے احاطوں اور ان کی عمارتوں میں کوئی کمی کی جائیگی نہ ان کی صلیبوں اور ان کے اموال میں سے کسی چیز کو نقصان پہنچایا جائیگا، ان پر دین کے معاملہ میں زبردستی نہیں کی جائیگی اور نہ ان میں سے کسی کو کوئی نقصان پہنچایا جائیگا۔

حضرت ابو عبیدہ نے بعلبک کے عیسائیوں کے لیے ان لفظوں میں صلحنامہ لکھا۔

---

[۱] کتاب الخراج صفحہ ۸۶۔

هٰذا كتاب امان لفلان بن فلان واهل بعلبك، رومها وفرسها وعربها على انفسهم واموالهم وكنائسهم ودورهم داخل المدينة وخارجها وعلى ارحائهم - من اسلم فله مالنا وعليه ما علينا - ولتجارهم ان يسافروا الى حيث ارادوا من البلاد التي صالحنا عليها - وعلى من اقام منهم الجزية والخراج -

یہ امان نامہ ہے فلان ابن فلان اور اہل بعلبک کیلیے عام اس سے کہ وہ رومی ہوں یا فارسی یا عربی امان ہے ان کی جان، مال، کنائس اور عمارات کیلیے عام اس سے کہ وہ شہر کے اندر ہوں یا باہر۔ اور امان ہے ان کی چکیوں کیلیے - ان میں سے جو مسلمان ہو جائیگا اس کے وہی حقوق ہیں جو ہمارے ہیں اور اس کے وہی فرائض ہیں جو ہم پر فرض ہیں - اور ان کے تاجروں کو حق ہوگا کہ جن ملکوں سے ہماری صلح ہو چکی ہے ان میں آزادی کیساتھ آمد و رفت کریں - اور ان میں سے جو اپنے دین پر قائم رہیگا اس پر جزیہ اور خراج ہے -

اسی قسم کے معاہدات قریب قریب تمام ان علاقوں کے باشندوں سے کیے گئے تھے جن کو مسلمانوں نے فتح کیا، اور ہمیشہ ان کی پابندی سختی کے ساتھ کی گئی - اگر کبھی کسی مسلمان حکمراں نے ان کی خلاف ورزی کی بھی تو مسلمانوں کی رائے عام نے اسے کبھی پسند نہ کیا اور ان کے ماہرین قانون نے ایسے افعال کو ہمیشہ ناجائز ٹھیرایا، اور اکثر ایسا ہی ہوا کہ رائے عام کے دباؤ سے اسلامی حکومتوں کو اپنی غلطی کی تلافی کرنی پڑی - مثال کے طور پر عباسی خلیفہ ہادی کے زمانہ میں مصر کے گورنر علی بن سلیمان نے چند گرجوں کو مسمار کر دیا تھا - ہادی کے انتقال کے بعد جب ہارون رشید خلیفہ ہوا تو اس نے علی بن سلیمان کو معزول کر کے اس کی جگہ موسیٰ بن عیسیٰ کو

مصر کا گورنر مقرر کیا اور موسیٰ نے مسمار شدہ گرجوں کے متعلق علماء سے فتویٰ دریافت کیا۔ تمام علماء نے بالاتفاق یہی فتویٰ دیا کہ ان گرجوں کو از سر نو تعمیر کیا جائے اور کہا کہ مصر میں جسقدر گرجے ہیں وہ صحابہ کے زمانے کے بنے ہوئے ہیں۔ چنانچہ مسمار شدہ گرجے حکومت کی جانب سے از سر نو تعمیر کیے گئے[1]

اسی طرح دمشق کا ایک گرجا ایک شخص کی شرارت سے قبیلہ بنی نصر کے قبضہ میں آگیا تھا، جب حضرت عمر بن عبدالعزیز سریر آرائے خلافت ہوئے تو آپ نے وہ گرجا عیسائیوں کو واپس دلایا[2]۔ اسطرح کے بیشمار واقعات ہیں لیکن بسبب طوالت ہم انھیں نظر انداز کرتے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلامی دور میں گرجوں اور بتخانوں کی تعمیر کا حق غیر مسلموں کو نہ تھا۔ لیکن میں کہونگا کہ مذہبی تعصب کی عینک اصل حقیقت کو کبتک چھپائیگی۔ تاریخ میں ایک نہیں بیشمار واقعات اس کے خلاف شہادت دیتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خلفاء نے کبھی اس میں رکاوٹ نہیں پیدا کی۔ اسلامی بادشاہوں کی جانب سے اس بارے میں کوئی خاص پابندی عائد نہ تھی۔ خاص اسلامی شہر بغداد میں اس کثرت سے گرجے تعمیر ہوئے کہ ان کا شمار محال ہے اگر کوئی انکا استقصار کرنا چاہے تو اسے معجم البلدان کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ قاہرہ میں جو گرجے ملتے ہیں وہ سب اسلامی عہد کے تعمیر کردہ ہیں۔ خالد بن عبداللہ قسری نے اپنی گورنری کے زمانہ میں خود اپنی عیسائی ماں کیلیے ایک گرجا تعمیر کرایا[3]۔ عضد الدولہ نے جو ایک مشہور بادشاہ گذرا ہے اپنے وزیر کو گرجوں اور بتخانوں کی تعمیر کا عام اختیار دیا تھا۔ اس کے زمانہ میں عیسائیوں اور

[1] تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۵۱۱

[2] النجوم الزاہرہ واقعات ۱۰۱ھ

[3] ابن اثیر واقعات ۳۶۹ھ

غیر مسلم قوموں کے ساتھ بڑی بڑی مراعات کی گئیں، چنانچہ شاہی حکم کے مطابق ۳۶۹ھ میں مختلف اسلامی شہروں میں گرجے تعمیر ہوئے[1]۔ اسلامی دور میں صرف یہی نہ تھا کہ گرجوں کی تعمیر کی اجازت تھی بلکہ ساتھ ہی یہ عام رعایت بھی تھی کہ جو جائدادیں گرجوں اور مذہبی اداروں پر وقف تھیں انکو بحال رکھا گیا۔ حتیٰ کہ گرجوں کے پادریوں اور بتخانوں کے پوجاریوں کو حکومت کی جانب سے وظیفے بھی ملتے تھے۔ حضرت عمرو بن العاص نے جب مصر پر قبضہ کیا تو گرجوں کے اوقاف کو علیٰ حالہ باقی رکھا[2]۔ محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو تمام برہمنوں کو بلا کر وظیفے مقرر کیے، اُن کو جو اختیارات پہلے سے حاصل تھے ان کو باقی رکھا اور بتخانوں کی جاگیروں میں کوئی کمی نہیں کی[3]۔

حضرت ابو بکرؓ کے زمانۂ خلافت میں ایک عورت نے مسلمانوں کی ہجو میں اشعار کہے جنکو سنکر ایک افسر سخت برہم ہوا اور اس نے جاکر اس عورت کا ہاتھ کاٹ ڈالا۔ صدیق اکبرؓ نے اس افسر کو خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔

> "اگر وہ عورت مسلمان تھی تو اسے کوئی معمولی سزا دینی چاہیے تھی تاکہ اسے ایک طرح کی تنبیہ ہو جاتی اور اگر وہ ذمی تھی تو اس سے درگذر کرنا چاہیے تھا اس لیے کہ جب ہم نے ذمیوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لیا ہے اور جب ہم ان کے شرک سے چشم پوشی کرتے ہیں تو یہ جرم تو بہت معمولی تھا[4]"

---

[1] ابن الاثیر واقعات ۳۶۹ھ

[2] تاریخ مقریزی جلد دوم صفحہ ۴۹۴

[3] تاریخ سندھ مصنفہ علی بن حامد۔

[4] تاریخ طبری واقعات ۱۱ھ

حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں مَرو کے بطریق (پیٹریارک) نے ایران کے لارڈ بشپ کو ایک خط لکھا تھا جس کے یہ الفاظ قابلِ غور ہیں۔

"اہل عرب جنکو اس وقت پروردگار نے تمام دنیا کا بادشاہ بنایا ہے ہمارے مذہب پر کوئی حملہ نہیں کرتے ہماری مذہبی روایات کا پورا لحاظ کرتے ہیں، ان کی حکومت میں ہمیں ہر طرح کی مذہبی آزادی حاصل ہے، یہی نہیں بلکہ مذہبی کاموں میں وہ ہماری ہر طرح کی اعانت کرتے ہیں، ہماری عبادتگاہوں اور گرجوں کیلیے عطیے دیتے ہیں، ہمارے پادریوں کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتے ہیں"۔

مسلمانوں کے متعلق یہ ایک بدگمانی پھیلائی گئی ہے کہ ان کے دورِ حکومت میں سول سروس بالکل مسلمانوں کے لیے مختص تھی اور غیر مسلموں کے لیے مناصب حکومت کے دروازے بند تھے۔ لیکن ہمارا قانون اور ہماری تاریخ دونوں اسکی تردید کرتے ہیں۔ قرآن حدیث اور فقہ تینوں ایسے کسی حکم سے خالی ہیں جس کا منشا یہ ہو کہ اسلامی حکومت میں غیر مسلموں سے ان کی اہلیت کے مطابق خدمت نہ لی جائے۔ اسی طرح تاریخ سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اسلامی حکومتوں نے اس باب میں کبھی متعصبانہ پالیسی اختیار کی ہو۔ خلافت راشدہ خالص مذہبی حکومت تھی۔ مگر اس میں ذمیوں سے حکومت کی خدمت لی جاتی تھی۔ خلافت اموی میں مالگذاری اور حساب کا پورا صیغہ ذمیوں کے ہاتھ میں تھا۔ خلافت عباسی میں کونسا عہدہ تھا جسکا دروازہ ذمیوں کے لیے بند ہو۔ ان خلفاء کی حکومت میں ذمیوں کو بڑے بڑے عزت کے منصب حاصل تھے۔ مثلاً خلیفہ مامون کے دربار میں مشہور عیسائی بختیشوع کا جو مرتبہ تھا وہ مسلمانوں کے اکابر کو بھی حاصل نہ تھا۔ مامون اس کو اپنے رنج کے مشوروں میں شریک کرتا، اپنے خاص معاملات میں اس سے رائے دریافت کرتا، اور اسکی رائے پر عمل کرتا۔ اس کا عام اعلان تھا کہ جو کوئی میرے پاس درخواست پیش کرنا چاہے اُسے بختیشوع کے

ذریعہ سے بھیجنا چاہیے، چنانچہ بڑی بڑی ہستیاں بختیشوع کے ذریعہ اپنی اپنی عرضیاں شاہی دربار میں بھیجتی تھیں۔ کیا اس سے بڑھکر کوئی حکومت غیر اقوام کو اپنے یہاں اعزاز بخش سکتی ہے۔

خلیفہ معتضد کے دربار میں کسی کو بیٹھنے کی اجازت نہ تھی، تمام اراکین سلطنت کھڑے رہتے تھے، لیکن ثابت بن قرہ کو بیٹھنے کی عام اجازت تھی، حالانکہ ثابت بن قرہ ذمی تھا۔ ایک دن معتضد ثابت بن قرہ کے ہاتھ میں ہاتھ دیے ہوئے تفریح کے لیے جارہا تھا۔ دفعتہً معتضد نے ہاتھ کھینچ لیا۔ ثابت خوف سے کانپ اٹھا۔ معتضد نے کہا ڈرو نہیں، بات یہ ہے کہ میرا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے اوپر تھا اس لیے میں نے کھینچ لیا کیونکہ تم علمی دنیا کے بادشاہ ہو، تمہیں حق ہے کہ تم اپنا ہاتھ اوپر رکھو۔

یہاں مثالوں کے انبار لگانا مقصود نہیں۔ صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ اس باب میں مسلمانوں نے جتنی فیاضی سے کام لیا ہے اسکی نظیر دنیا کی کسی حکمراں قوم میں نہیں مل سکتی۔ یہاں ایک چھوڑ بیسیوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ غیر مسلم رعایا کے افراد کو گورنری اور وائسرائلٹی اور سپہ سالاری تک کے عہدوں پر مقرر کیا گیا۔ مگر اس جمہوریت کے دور میں کوئی انتہائی آزادخیال قوم بھی ایسی فیاضی کی مثال پیش کرسکی اسکی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ اسلام کی تعلیم مسلمانوں کو انسانیت کی قدر کرنا سکھاتی ہے اور اس میں یہ صلاحیت پیدا کرتی ہے کہ انسان کو اسکے وطن یا اسکی نسل یا اسکی زبان کے لحاظ سے نہیں بلکہ اسکے انسانی اوصاف کے لحاظ سے دیکھے۔ بخلاف اس کے غیر مسلم خواہ وہ کسی گروہ سے تعلق رکھتا ہو اس ڈھنگ پر تربیت پاتا ہے کہ انسانی نقطۂ نظر کو اس کے ذہن میں نشوونما ہی نصیب نہیں ہوتا۔ وہ انسان اور انسان کے درمیان اوصاف انسانی کے لحاظ سے نہیں بلکہ عوارض مادی کے لحاظ سے تمیز کرتا ہے اور یہ بربریت کی کیفیت اسکی آنکھوں پر اسطرح چھائی ہوئی ہے کہ علم و عقل کی کوئی ترقی اسکی اس بیماری کو پوری طرح دور نہیں کرسکی۔ دنیا میں صرف اسلام ہی ایک ایسی تہذیب ہے جسکے ماحول میں تربیت پاکر انسان اس بیماری سے نجات پاسکتا ہے۔

اسلام اور اجتماعی زندگی

(ترجمہ و تلخیص، از مولوی حکیم عبدالقوی صاحب دریابادی)

[ذیل میں لندن کے ایک ہندو سالسٹر مسٹر آر۔ اے نہرا کے فاضلانہ مقالہ کا ملخص ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ موصوف نے یہ مقالہ اسلامک سوسائٹی لندن کے جلسہ میں پڑھا تھا۔]

تین اسباب ہیں جن کی بنا پر ایک ہندو اس بحث پر تقریر کر رہا ہے۔ سب سے پہلا سبب یہ ہے کہ میں اگرچہ ہندو پیدا ہوا، لیکن بچپن سے ہمیشہ مسلمان ہمسایوں اور دوستوں میں رہا۔ کیونکہ آپ جانتے ہیں کہ ہندو مسلمان الگ الگ نہیں رہتے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ ہندو مذہب اپنے پیروؤں کو یہ نہیں سکھاتا کہ وہ دوسرے مذاہب کو برا کہیں یا نظر حقارت سے دیکھیں۔ رواداری اور غیر ضرر رسانی، ہندو دھرم کے اساسی اصول ہیں۔ تیسرا سبب یہ ہے کہ میں نے مذہب اسلام کا مطالعہ کیا ہے، اور پندرہ سال سے اسلامی قانون کی پریکٹس کر رہا ہوں۔ میں اپنے موضوع کو ذیل کے تین عنوانات میں تقسیم کرونگا۔

(۱) کاروباری اخلاق - (۲) عام اخلاق - (۳) صنفی اخلاق -

میں ہر عنوان میں اختصار برتوں گا کیونکہ ساتھ ہی ساتھ مجھے اپنے بیانات کی توضیحی مثالیں بھی دینی ہیں جو مجھے اپنے چند سال کے پیشہ کے تجربات میں ملی ہیں۔

میں یہ بات صاف صاف کہنا چاہتا ہوں، کہ میرا موضوعِ تقریر، اخلاق کا وہ اصلی معیار ہے

جسکی حضرت محمدؐ کی عظیم المرتبت ہستی نے بنا ڈالی اور تبلیغ کی، اور جس پر انھوں نے اور ان کے سچے پیرووں نے عمل فرمایا۔ یہ معیار اتنا اعلیٰ ہے کہ عہدِ حاضر کا ہر وہ مرد یا عورت جو مادیت کے سیلاب میں غرق ہے، اس کے مطابق زندگی بسر کرنے میں وقت محسوس کریگا۔

سب سے پہلے کاروباری اخلاق کو لیجیے۔ ہر شخص جانتا ہے کہ روئے زمین پر اسلام ہی وہ اکیلا مذہب ہے، جو سُود کو حرام قرار دیتا ہے۔ اگر آپ اس مفید ترین و اعلیٰ اصول کی تحلیل کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ موجودہ اقتصادی نظام، جسکا دار و مدار سُود پر ہے، سراسر غلط ہے۔ روپیہ ایک جاندار چیز نہیں۔ وہ دوگنا چوگنا نہیں ہوتا۔ ایک پونڈ خواہ وہ چاندی کا ہو یا سونے کا، جہاں کہیں اور جس زمانہ میں بھی ہوگا، کسی طرح بھی وہ دو پونڈ میں متبدل نہیں ہو سکتا۔ وہ ایک ہی پونڈ رہیگا، خواہ وہ کسی بادشاہ کے ہاتھ میں ہو، یا کاشتکار کے ہاتھ میں ہو، فوجی جنرل کے ہاتھ میں ہو، ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہو یا کاشتکار کے ہاتھ میں۔ یہی وجہ ہے کہ شارع اسلام نے اپنے متبعین کو سُود کے لینے اور دینے سے منع فرمایا۔ حرص کی ایجاد کردہ چیزوں میں سود، بنی نوعِ انسان پر بے رحمی کی بدترین شکل ہے، جسکا ارتکاب مادیت سے مغلوب اور روحانیت سے بے بہرہ مخلوق، احمقانہ پندار کے ساتھ کرتی رہتی ہے۔ سود کے لین دین کے نتائج بہت دور رس، اور سوسائٹی کے سکونِ دماغی کو بڑی طرح تہ و بالا کرنے والے ہوتے ہیں۔ عہد حاضر کے قوانین کی رو سے ۴۸ فیصدی تک سود لینا روا ہے۔ شاید آپ حضرات میں سے بعض اس بات سے ناواقف ہوں کہ انگلستان میں ایک سودخوار ۴۸ فیصدی تک سود قانوناً لے سکتا ہے۔ اسکا مطلب یہ ہوا کہ اگر ایک شخص آج سَو پونڈ قرض لیتا ہے تو سال بھر میں اُسے ۴۸ پونڈ دینے ہونگے، اور دو سال گذر جانے پر زرِ اصل سے تقریباً دوگنی رقم دینی پڑیگی۔ اس مہاجنی سود کی بدولت خدا معلوم کتنے خاندان تباہ ہو چکے ہیں۔ میں نے خود ایسے واقعات دیکھے ہیں جن میں ان سُود

خواروں ہی کی وجہ سے تباہی آئی۔ جب کوئی شخص ان سود خواروں کے چنگل میں جا پڑتا ہے تو شرح سود کی زیادتی کی بدولت شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص حریص ساہوکار کے پنجہ سے صحیح وسالم نکل سکے۔ موجودہ زمانہ کے ماہرین اقتصادیات، سود کے کاروبار کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔ آخر کیوں؟ محض اس لیے کہ سود کے اصول کی وجہ سے اُنکے ہاتھ وہ رقم زائد لگ جاتی ہے جو اُنکی نہیں۔ یہ سودی کاروبار بہت ہی مہیب پیمانہ پر جاری ہے، جسکا نتیجہ یہ ہے کہ حرص اور خود غرضی، اپنی انتہائی خوفناک شکل میں ہر جگہ پھیلی ہوئی ہے، اور اقوام عالم ایک قعرِ عظیم کے کنارے آلگی ہیں اور ہر وقت اپنے ہاتھوں پیدا کی ہوئی تباہی میں جا گرنے کے لیے تیار ہیں۔

تعمیری انجمنیں، بینک اور بیمہ کمپنیاں سطحی اعتبار سے مضبوط معلوم ہونے کے باعث بہت ہی مفید اور ضروری ادارے سمجھی جاتی ہیں۔ اب میں آپ کے سامنے ایک ایسی مثال پیش کرونگا جو میرے جیسے پیشے والوں کو، اپنے پیشہ کے سلسلہ میں اکثر پیش آتی ہے۔ ایک شخص نے ایک مکان بارہ سو پونڈ میں خریدا۔ اور یہ طے پایا کہ وہ ماہ بماہ آٹھ پونڈ کی قسطیں ادا کریگا۔ ان آٹھ پونڈوں میں نصف سے زیادہ رقم، پہلے دس سال کے سود کی رقم ہے۔ وہ شخص سات سال تک یہ قسطیں کسی نہ کسی طرح ادا کرتا رہا۔ آٹھویں سال وہ بیمار پڑا، اور ساتھ ہی اسے اپنے کاروبار میں خسارہ ہوا، اور وہ تین ماہ تک قسطیں ادا نہ کر سکا۔ تعمیری انجمن، جو سود خواری ہی کی ایک معزز شیطانی شکل ہے، ہر ماہ اُس پر تاوان عائد کرتی رہی۔ میں اُس غریب مگر ایماندار خریدار کا مشیر قانونی تھا۔ وہ بیچارہ قسطیں ہی ادا کرنے سے قاصر تھا۔ یہ تاوان کا بار کہاں سے ادا کرتا۔ مگر قانوناً یہ تاوان لگانے والے سود خوار حق بجانب تھے۔ انجام کار، انجمن نے اپنے مشیران قانون کو اُس خریدار پر مقدمہ دائر کرنے کی ہدایت کی۔ میں نے ان کے پاس جا کر منت استدعا کی، اور اُس ایماندار

خریدار کی تفصیلی صورتِ حال بیان کی - انہوں نے جواب دیا کہ "ہمیں افسوس ہے - لیکن کیا کیا جائے، قاعدہ کی پابندی لازمی ہے، اور ڈائرکٹران بجز اسکے اور کچھ نہیں کر سکتے کہ واجب الادا قسطوں کی وصولی کا سلسلہ جاری رکھیں"- اسکے بعد انہوں نے مقدمہ دائر کیا اور بالآخر اس مکان کا قبضہ حاصل کر کے اُس شخص کو معہ اُسکے گھر والوں کے اُس مکان سے جس میں انکے سات برس گذرے تھے، نکال باہر کیا - یہ ساری کارروائی از روئے قانون جائز تھی، اور بعض لوگ کہینگے کہ یہی مناسب تھی - لیکن کیا انسانیت اسی کا نام تھا؟ اگر سود کا اصول نہ ہوتا تو یہ شخص زر اصل بآسانی ادا کر چکا ہوتا، اور کمپنی اتنی بیرحمی نہ کر سکتی - کیونکہ ایسی صورت میں کمپنی کو نہ کوئی ضرورت محسوس ہوتی اور نہ طمع دامنگیر ہوتی کہ وہ شخص مذکور پر مقدمہ چلا کر، مکان پر قبضہ کریں اور اُس مکان کو پھر کسی ایسے شخص کے ہاتھ بیچ ڈالیں جو باقاعدہ اصل وسود ادا کرتا رہے - اسلام کے قانون کے مطابق، ایک تاجر، اپنے ہم پیشہ تاجر یا دوست کو روپیہ قرض دیتا ہے اور مقروض اس رقم کو سچے شکریہ اور احسانمندی کے ساتھ واپس کرتا ہے - خیال تو کیجیے کہ یہ اصول کتنا زیادہ مبنی بر انسانیت ہے، اور سود نہ لینے کے ...... اعلیٰ اور شریفانہ اصول میں کتنی خالص ہمدردی ومحبت الجنسی پنہاں ہے کوئی شخص بھی اپنے روپیہ کو سود پر چلا چلا کر، اپنی حرص میں اضافہ نہیں کرتا - یہ ظاہر ہے کہ جب کاروباری معاملات میں انسانیت برتی جائیگی، خودغرضی میں کمی ہوگی تو اسکا نتیجہ یہ نکلے گا کہ زندگی کے جھگڑے گھٹیں گے اور روزمرہ کی زندگی اور کاروباری معاملات میں زیادہ اطمینان قلب نصیب ہوگا - میں عہدِ حاضر کے سودخوار اداروں کی شقاوت اور خارج از انسانیت کارروائیوں کی بیسیوں مثالیں دے سکتا ہوں - اسلام کے متعلق بہت سے لوگ، عجیب عجیب نظریے رکھتے ہیں، اور بہت کم ایسے ہیں جو اسلام کی اُس اصلی اور بے آمیز شکل کا مطالعہ کرتے ہیں جو اُسکے ضعیف دماغ والے اور محض زبانی پیروؤں کی آمیزشوں سے پاک ہے -

کاروباری اخلاق کے بعد ہم "صنفی اخلاق" کے موضوع کو لیتے ہیں۔ آپ میں سے بعض نے سُنا ہوگا کہ اسلامی قانون میں ایک اصول "خلوت صحیحہ" کا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہ کیا چیز ہے؟ یہ اخلاق کا بلند ترین اصول ہے جو انسانوں کے لیے اُنکے ان ذاتی تعلقات میں جو وہ صنفِ مقابل سے رکھتے ہیں، واجب العمل بتایا گیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ میں اُن لوگوں کے فائدہ کے لیے، جو اس اصول سے ناواقف ہیں، اسکی تعریف بیان کردوں۔ اُس عظیم الشان شارع (اسلام) کے زمانہ میں گو کہ علمِ برق کا اتنا چرچا نہ تھا، لیکن وہ انسانی زندگی میں علحدگی کی ضرورت اور بھلائی سے بخوبی واقف تھے۔ سائنس کی اصطلاح میں بھی، انسانوں کا باہمی صنفی تعلق "برقی رو" ہی کا نام ہے۔

جس طرح انسانی زندگی کے تسلسل کے لیے یہ صنفی تعلق ضروری ہے، اُسی طرح یہ امر بھی ضروری ہے کہ وہ قواعد و اصول بھی عمل میں لائے جائیں، جنکے ذریعہ انسانیت کا بہترین طریق پر تحفظ ہوسکے، اور اسکا قیام، بلا سوسائٹی کے تباہ و برباد ہوئے رہ سکے۔ انسان لازمی طور سے ایک پیکرِ اخلاق ہے۔ آپ نے یہ کہاوت سُنی ہوگی کہ "اگر دولت چلی گئی تو کچھ بھی نہ گیا، اگر تندرستی چلی گئی تو کچھ چلا گیا، اور اگر اخلاق چلا گیا تو سب کچھ چلا گیا"۔ ایک انسان بغیر اعلیٰ اخلاق کے ایک درندہ سے بدتر، اور ایک سانپ سے زیادہ نقصان پہنچانے والا ہوتا ہے۔ اس لیے حضرت محمدؐ کی عظیم المرتبت ہستی نے اعلیٰ اخلاق کے تحفظ کا اعلیٰ ترین اصول (خلوت صحیحہ کی صورت میں) بیان فرمادیا۔ اسلامی قانون میں خلوت صحیحہ کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک مرد اور عورت، جو ایک دوسرے کے غیر محرم ہیں، کسی جگہ اکٹھے اس حال میں پائے گئے کہ وہ تنہا ہیں، اور انہیں وہاں کسی قسم کا اندیشہ نہیں، تو قانون کے ظاہری اعتبار سے گویا وہ مرتکب جرم ہوئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں نے گو کہ نیم قانونی الفاظ استعمال کیے ہیں لیکن مطلب کی خاصی توضیح ہوگئی ہے۔

اب میں اُسی برقی رَو کی مثال کو پھر بیان کرتا ہوں۔ جو لوگ علم برق کے اصول سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ برقی رَو، مثبت اور منفی دو قسم کی ہوتی ہے۔ یہ دونوں قسمیں باہم ملنے کے لیے ہمہ وقت تیار اور بیتاب رہتی ہیں۔ جب تک ان دونوں کے مابین خاصا فاصلہ رہتا ہے یا دونوں کو علحدہ رکھنے والی کوئی چیز موجود ہوتی ہے، اس وقت تک یہ دونوں اپنے اپنے خول میں دوڑتی رہتی ہیں۔ لیکن جوں ہی علحدہ رکھنے والی چیز ہٹادی جاتی ہے، یا باہمی فاصلہ ایک خاص حد تک کم کر دیا جاتا ہے، فوراً دونوں ایک دوسرے کی طرف لپکتی ہیں اور شعلہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر چاہے ساری دنیا مل کر شعلہ نہ اُٹھنے کی دعا کرے تب بھی اس سے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ہر چیز کے لیے فطرت نے قانون اور اصول مقرر کر رکھے ہیں۔ قانون توڑو گے تو اس کا انجام بھی بھگتو گے۔ انسانی اور اخلاقی دنیا بھی اٹل قوانین سے اُسی طرح جکڑی ہوئی ہے جسطرح جسمانی دنیا۔ بنا بریں خلوت صحیحہ ہی کا اعلیٰ اصول مرد اور عورت کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ اپنے اعلیٰ ترین اخلاق کو قائم رکھیں۔ یہی وہ اصول ہے جسکے مطابق یورپ میں لوگ نوجوانوں کو علحدہ رکھنے کیلئے "محافظ عورتیں" رکھتے ہیں۔ اسلام ان لوگوں کی ہرگز ہمت افزائی نہیں کرتا جو اچھے اصولوں کو قدیم اور دقیانوسی کہکر چھوڑ دیتے ہیں۔ میں نے مانا کہ بہت سے مسلمان سچے مسلمان نہیں اور اسلام کے اعلیٰ معیار کے عامل نہیں۔ لیکن میرا مقصد تو صرف یہ جتانا ہے کہ اسلام میں ایک ایسا معیار موجود ہے۔ کون شخص ہے جو دُنیا میں بداخلاقی کے سیلاب کی روز افزوں زیادتی سے، جس کا نتیجہ دنیا کے روز افزوں زوال کی صورت میں نکل رہا ہے، بے خبر ہے؟ وہ دن کچھ دور نہیں، جبکہ ہمیں، باوجود اسکے کہ ہم دنیا میں اہم اور معزز حیثیت رکھتے ہیں، ان لوگوں کی حماقت کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا جو اخلاق کے اعلیٰ اصول نہیں برتتے۔

موجودہ زمانہ کا رواج ہے کہ نوجوان مرد و عورت کھلے بندوں پھرتے رہتے ہیں اور

جب چاہیں بلا کسی پابندی کے باہم ملتے ہیں۔ یہ رواج دنیا کی موجودہ غیر اطمینان بخش حالت کا ذمہ وار ہے۔ مسرت گھٹ رہی ہے اور بے چینی بڑھ رہی ہے۔ میں نے انگلستان میں اپنی نو سالہ پریکٹس کے دوران میں بہت سے ازدواجی مقدموں میں پیروی کی ہے، جنمیں فریقین زیادہ تر انگریز تھے، اس لیئے میں بیان کرسکتا ہوں کہ اُن زوجین کی زندگی جو اخلاق کے اعلیٰ معیار پر عامل نہیں ہوتے، کتنی ناخوشگوار ہوتی ہے۔ بعض بعض مسلمانوں نے بھی اپنے مذہب اور اُسکے اعلیٰ معیار کو بھلا کر اپنے سر مصیبت مول لی ہے۔ افراد کی، اور اُنکے توسط سے اقوام اور دنیا کی صحت اور مسرت کا دارو مدار، اخلاق کے اُس اچھے اور عمدہ معیار پر ہے جو کاروباری زندگی اور خانگی زندگی دونوں میں برتا جائے۔ اسلام اُس معیار کو ہم پہونچاتا ہے۔ میری تمنا ہے کہ ہر مسلمان سچا مسلمان ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت اسلام زیادہ پھیلے گا، اور دوسرے مذاہب سے وسیع تر اسکی اشاعت ہوگی۔

اب میں چند لفظ عام اخلاق کے متعلق کہوں گا۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو ہر قسم کی نشہ آور چیزیں شراب وغیرہ کو ممنوع قرار دیتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی دنیا خصوصاً نئی دنیا، جان چکی ہے کہ روزمرہ کی عام زندگی کی بہتری اسی میں ہے کہ شراب جیسی بڑی چیز سے احتراز کیا جائے۔ اسلام اپنے ماننے والے کو کسی حال میں اور کسی رسم کے موقع پر شراب پینے کی اجازت نہیں دیتا۔ شراب کی خرابیاں بحیثیت مجموعی اتنی زیادہ مشہور و معروف ہیں کہ انکی تفصیل کی حاجت نہیں ہر سال انکی بدولت کتنے خاندان تباہ ہو جاتے ہیں، اور کتنے بھلے اور ہونہار اشخاص شروع ہی میں اپنے مفید کارنامہ ہائے حیات سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اسلام میں عیش پسندی کو بھی سختی کے ساتھ قابل تحقیر سمجھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک سچے مسلمان کے لیے روا نہیں کہ وہ اپنی دیواروں پر، یا کہیں اور تصویریں لگائے۔ زندگی کی سادگی اس کا اعلیٰ ترین مقصد رکھا گیا ہے۔ یہ عیش پسندی ہی ہے

جو لوگوں میں تفرقہ ڈالتی، اور امیروں کو خود غرض اور غریبوں اور غیر مستحقوں سے بے پروا بناتی ہے۔ جو کچھ مغرب میں ہو رہا ہے، اس پر نظر ڈالیے۔ وہاں یہ ممکن ہے کہ ایک دولت سے لدا پھندا امیر، لندن کے مشرقی حصہ میں ایک غریب بھائی رکھتا ہو۔ مغربی حصہ لندن کے تمام تھیٹر، سینما، اور رسٹورنٹ ہر روز بھرے رہتے ہیں۔ درآنحالیکہ لکھوکھا آدمیوں کو کھانا اور ضروری کپڑا میسر نہیں ہوتا۔ اور یہ صورت حال طبعی اور صحیح سمجھی جاتی ہے۔ افسوس محض ذاتی مفاد کے لیے انسانی ہستیاں کتنی بری طرح انصاف اور راستی کے معیار کو توڑتی مروڑتی ہیں۔

(اسلامک ریویو)

بحوالہ "صدق"

مسلمان قوم ہیں یا فرقہ ؟

ہندوستان کا مسئلہ بین الاقوامی ہے یا فرقہ وارانہ ؟

(از جناب عزیز ہندی)

[ہندوستان میں مسلمانوں کی حیثیت ایک مستقل قوم کی ہے یا ایک جغرافی قوم کے فرقہ کی ؟ یہ سوال اب سے کچھ عرصہ پہلے تک اگر مختلف فیہ تھا تو صرف وطن پرست اور خدا پرست طبقوں کے درمیان تھا۔ مگر اب ہمارے سیاسی حالات کی ستم ظریفی نے اس سوال کو بھی خدا پرست طبقہ کے درمیان مختلف فیہ بنا دیا ہے۔ اگرچہ یہ امر بھی بجائے خود کچھ کم افسوسناک نہ تھا کہ ہمارے درمیان خود اپنے "قومی وجود" ہی کا سوال مختلف فیہ ہو جائے، تاہم اگر ٹھنڈے دل سے خالص علمی و عقلی طریق پر اس بنیادی مسئلہ سے بحث کی جاتی، تب بھی چنداں مضائقہ نہ تھا۔ لیکن افسوس بالائے افسوس یہ ہے کہ یہ سوال چھڑا بھی تو تلخیوں اور شخصی عداوتوں کیساتھ چھڑا، اور اپنے ساتھ نفسانیت، سخن پروری، پارٹی فیلنگ اور حمیت جاہلیت کے زہریلے ثمرات لیکر آیا۔ اب ہمارے برادران ملت نے اس نازک انقلابی دور میں اپنی جماعتی حیثیت کے اہم ترین مسئلہ پر جو بحثیں فرمائیں ان میں یہ پہلو تو نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ . . کہ فی الواقع ہماری حیثیت کیا ہے، اور یہ پہلو سامنے آگیا . . . کہ کون کس کو گراتا ہے اور کون کسے پچھاڑتا ہے۔ ایک طرف اگر صحیح نظریہ کی حمایت بھی ہوئی تو اس میں اثباتِ حق پر اتنا زور نہیں جتنا گروہِ مقابل کو روسیاہ کرنے کی کوشش پر ہے۔ دوسری طرف ایک سراسر باطل نظریہ کی حمایت تمام تر اس جذبہ کے تحت کی گئی . . . . کہ فلاں شخص چونکہ ہمارا سرگروہ ہے، اور چونکہ گروہِ مقابل اس پر حملہ کر رہا ہے، اسلئے ہم پر اسکی حمایت لازم ہو گئی ہے۔

خواہ اسکی رائے غلط ہی کیوں نہ ہو، خواہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کی عظیم الشان جماعت کے مستقبل پر اس کا کتنا ہی مہلک اثر پڑے، خواہ اپنی بات کی پچ کے لیے اپنے ضمیر اور اپنے علم کے خلاف قرآن و حدیث کے ارشادات کو ڈھالنے میں کتنی ہی کھینچ تان کرنی پڑے۔ نعوذ باللہ من شرور انفسنا و سیات اعمالنا۔

جب نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہو، تو کسی شریف آدمی کے لیے اس بحث میں دخل دینا بہت مشکل ہے۔ لیکن جن لوگوں کا جینا اور مرنا ہی اسلامی قومیت کے بقا و رفروغ کی خاطر ہے ان کے لیے اپنی زندگی کے واحد نصب العین کو اس قیل و قال میں گم ہوتے دیکھنا اور خاموش بیٹھے رہنا بھی مشکل ہے۔ لہذا اپنے دل پر جبر کرکے ہم نے فیصلہ کیا کہ تمام غیر متعلق بحثوں سے قطع نظر کرکے اس مسئلہ پر خالص علمی حیثیت سے بحث کریں۔ آیندہ اشاعت سے اس بحث کا سلسلہ شروع ہوگا مگر اس سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ناظرین کرام جناب عزیز ہندی کے اس مضمون کو بغور ملاحظہ فرمالیں تاکہ بحث کے مبادی نظر کے سامنے آجائیں۔]

(۱) مسلمان قوم ہیں یا فرقہ ؟

ہندوستان میں مسلمانوں کو ایک فرقہ کا نام دیا گیا ہے حالانکہ وہ فرقہ نہیں بلکہ ایک بڑی قوم ہیں۔ فرقہ کسی قوم کا ایک جزء ہوتا ہے، اور یہاں کوئی ایسی قوم نہیں ہے جس کا مسلمان ایک جزء کہلا سکیں۔ ہندوستان ایک برّ اعظم کی طرح ہے جس میں چھوٹی بڑی بیسیوں قومیں بستی ہیں۔ ہر قوم اپنی جداگانہ معاشرت و تہذیب کی مالک ہے، اور اپنی مخصوص ذہنیت رکھتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی موجودہ عبدیت اور غلامی نے چونکہ ہر قوم کو یکساں طور پر اسیر و محکوم کر رکھا ہے، اور ہر قوم میں آزادی حاصل کرنے کی کم و بیش اُمنگ موجود ہے، اس لیے ہر قوم یہ سمجھتی ہے کہ جب تک ہندوستان کامل آزاد نہ ہو جائے اس وقت تک کسی قوم کو بھی اپنی اسارت و محکومی سے رہائی کی کوئی توقع

ہنیں - اس امر کے پیش نظر اہلِ سیاست کا یہ تقاضا ہے کہ جدا اقوام کو ایک واحد قومیت کے سانچے میں ڈھال دیا جائے، اور اس طرح ایک واحد وجود بن کر خارجی حکومت کے جور و استبداد سے رہائی حاصل کی جائے - گویا آزادی کی راہ میں جو سب سے بڑی اور زبردست رکاوٹ درپیش ہے وہ یہاں مختلف قوموں کا وجود ہے - یہ جب تک ایک نہ ہوجائیں، اہلِ سیاست کے نزدیک آزادی کامل کا حصول محالات میں سے ہے -

اس عقدہ کو حل کرنے کے لیے اہلِ سیاست نے پہلے ہی سے یہ قیاس کرلیا ہے کہ ہندوستان کے پینتیس کروڑ افراد ایک واحد قوم ہیں، اور ہندو مسلمان سکھ عیسائی پارسی وغیرہ اس واحد اور عظیم الشان قوم کے جُدا جُدا فرقے ہیں - مگر یہ قیاس اسی قبیل سے ہے جس طرح یہ فرض کرلیا جائے کہ ساری دُنیا ایک واحد قومیت ہے اور مختلف اقوام اس واحد قومیت کے فرقے ہیں - ایسا قیاس اگر کسی حقیقت پر مبنی ہو بھی تو وہ ابھی ایک دور از کار حقیقت ہے - عمل کی دنیا میں اسے کوئی اہمیت حاصل ہنیں - کوئی تدبیر، کوئی قوت ایسی موجود ہنیں جس سے دُنیا کی مختلف اقوام کی ذہنیت کو بدل کر اہنیں ایک کردیا جائے - اور جب تک ذہنیت کو بدلا نہ جاسکے اقوام کا وجود دنیا میں باقی رہیگا، اور جب تک اقوام دنیا میں باقی ہیں ان کا مسلک و طریقِ زندگی آپس میں مختلف ہی رہیگا -

اپنا ایک الگ مسلک اور الگ طریقِ زندگی رکھنا ہی کسی جماعت کا ایک الگ قوم ہونا ہے - یہ مسلک اور طریقِ زندگی دراصل قومی وجود کا ظہورِ خارجی ہے، اور اسی چیز کو باقی رکھنا اور اسی چیز کو باقی رکھ کر ... ترقی دینا ہر قوم کا نصب العین ہے - آزادی بجائے خود نصب العین ہنیں ہے بلکہ اس نصب العین کو بروئے کار لانے کا ذریعہ ہے - اس ذریعہ کے حاصل کرنے کی خواہش فطری طور پر پیدا ہی اسلیے ہوتی ہے کہ ہر قوم اپنے قومی وجود کو برقرار رکھنا اور اپنے طریق پر اس کو فروغ

دینا چاہتی ہے ۔ ہندوستان کے باشندوں میں اگر یہ خواہش پیدا ہوئی ہے تو یہ بھی اس لیے ہے کہ ان میں قومی شعور بیدار ہو گیا ہے ۔ لیکن جبکہ ان کے مسلک اور طریقہائے زندگی مختلف ہیں اور ان میں ہر گروہ اپنے قومی وجود کا اظہار مختلف صورت میں کر رہا ہے، ان کو ایک قوم فرض کر لینا، اور ان مختلف قوموں کو ایک قوم کے فرقے قرار دے کر انکی قومیت کے خارجی ظہورات کو "فرقہ دارانہ" اور "منافی قومیت" کہنا، سراسر غلط اور مہمل ہے ۔

جس طرح آزادی فکر و عمل افراد کا فطری حق ہے اسی طرح جماعاتِ افراد یعنی اقوام کو بھی یہ فطری حق حاصل ہے کہ وہ اپنی مرضی و ارادہ کو بلا کسی خارجی دباؤ کے ظاہر اور نمایاں کریں۔ یہ حق جس طرح افراد سے اصولاً چھینا نہیں جا سکتا اسی طرح اقوام سے بھی ہم اسے روک نہیں سکتے ۔ اقوام کا دفعتہً چولا بدل ڈالنا، تاریخ و تجربۂ انسانی اور فطرت کے آئین کے بالکل برخلاف ہے، اس لیے متعدد اقوام ہند کا محض مقامی تعلق کی بنا پر ایک واحد قومیت میں ڈھل جانا نہایت ہی غیر اغلب اور ناممکن ہے ۔

پس اس بنا پر یہ ہندوستان کی ہر قوم کا فطری حق ہے کہ وہ اپنے ہی اساسِ قومیت پر اپنی زندگی کا اظہار و افشاء کرے اور ہر دوسری قوم کے ساتھ اپنے زاویۂ نگاہ کے ماتحت بین الاقوامی تعلقات قائم کرے ۔ ہندوؤں کا اپنی ہندوییت کے اساس پر سکھوں کا اپنی سکھیت کے اساس پر، اور مسلمانوں کا اپنی مسلمانیت کے اساس پر اپنی زندگی کو نمایاں کر نا دیسا ہی فطری حق ہے جیسکے حصول کی طلب ہر قوم میں موجود ہے ۔ کیونکہ اگر یہ ہر قوم کے اندر موجود نہ ہوتی تو کسی میں آزادی کا جذبہ بھی نشوونما نہ پا سکتا ۔

دراصل ہم نے خارجی حکومت کے اثر کو غلط طور پر قبول کرتے ہوئے ہندوستان کی مختلف قوموں کو فرقے یا کمیونٹیز کہہ کر پکارنا شروع کر دیا ہے ۔ بیرونی حکمرانوں کے زاویۂ

نگاہ سے تو یقیناً ہم فرقے ہیں، کیونکہ "نیشن" کی جو موجودہ تعریف یورپ میں مستعمل ہے اس کے لیے ... "اسٹیٹ" کا ہونا لازمی ہے، یعنی وہ صرف اُسی مجموعۂ افراد کو "نیشن" کا نام دینگے جو اپنی اسٹیٹ کے اندر آزاد و خود مختار زندگی بسر کر رہی ہو۔ اس تعریف کے ماتحت انگریز ایک "نیشن" ہیں اور چونکہ وہ بحیثیت "نیشن" کے ہندوستان پر حکومت کر رہے ہیں اس لیے وہ اپنی ماتحت رعیت کو کبھی نیشن کہہ کر نہیں پکاریں گے بلکہ ہمیشہ فرقے یا کمیونٹیز ہی کہیں گے۔ لیکن ہمارے متعلق ان کا زاویۂ نگاہ جو کچھ بھی ہو وہ خود ہمارا نہیں ہو سکتا۔ ہم کو اگر کمیونٹی سے "نیشن" بننا ہے، تو یقیناً ہم اپنے لیے نیشن ہونے کا ہی دعویٰ کرینگے کیونکہ ہم اسی دعویٰ کی بنا پر اپنی آزادی کا مطالبہ پیش کر سکتے ہیں۔

اس حقیقت کو ہم پسِ پُشت نہیں ڈال سکتے کہ جب اس ملک کے اہلِ سیاست انگریزوں سے ہندوستان کی آزادی کا مطالبہ کرتے ہیں تو انگریزی ذہنیت کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے وہ ہندوستان کو "اسٹیٹ" اور اس کے اندر بسنے والوں کو ایک واحد قوم یعنی ہندوستانی فرض کر لیتے ہیں۔ یہی وہ بڑا سبب ہے جس کی بنا پر یہاں کے اہلِ سیاست اس امر کو ضروری سمجھتے ہیں کہ اپنے مذکورۂ بالا دعویٰ کی صداقت کے ثبوت کے طور پر یہاں کی مختلف اقوام کو ایک واحد قوم بنا دیں، اور پھر یہی وہ بڑی وجہ ہے کہ سیاست کے عملی میدان میں جب یہ سیاست داں ملک کی مختلف قوموں کے وجود کو اپنے مقابل سدِّ سکندری کی طرح سے حائل پاتے ہیں تو انہیں بجز اس کے اور کچھ نہیں سوجھتا کہ وہ خود بھی اپنے حکمرانوں کا سا زاویۂ نگاہ اختیار کر کے ان قوموں کو قومیں کہنے کی بجائے فرقے کہہ کر مطعون کریں، اور ان کی قومی تحریکوں کو فرقہ دارانہ قرار دیتے ہوئے نیشنلزم کے منافی خیال کریں۔ وہ اسے اپنی دانست میں ایک بڑی گہری سیاست خیال کرتے ہیں، کیونکہ اس طرح ایک تو یہاں کی مختلف قوموں کو ان کی اصلی

پوزیشن سے گرا کر فرقے قرار دینا خود حکمرانوں کو مجبور کرتا ہے کہ وہ مختلف فرقوں کے اختلاط سے ایک واحد قومیت بنانے میں ان کی امداد کریں، اور دوسرے خود مختلف قوموں کے اندر امتشار خیال پیدا کرکے انہیں اپنے قومی امتیازات کو مٹا دینے کی دعوت و اشتعال بھی دیتا ہے۔

(۲) اب ہم یہ معلوم کرینگے کہ ملک کے یہ سیاستداں اور مدبر جو اپنے حکمرانوں کے زاویۂ نگاہ کو قبول کرتے ہوئے یہاں کی مختلف قوموں کو فرقے قرار دے رہے ہیں خود کس قوم یا فرقہ سے متعلق ہیں اور یہ خود کیوں اپنی قوم کو "قوم" کے درجہ سے گرا کر "فرقہ" کے درجہ میں رکھ رہے ہیں؟

اگر کوئی قوم یا "نیشن" زمانہ کے انقلاب کی وجہ سے کسی غیر کی محکومی میں آگئی ہو تو وہ اس بنا پر کہ وہ کبھی ایک قوم یا نیشن تھی، اپنے گذشتہ دور کو پھر واپس لانے کے لیے، اپنے حکمرانوں سے آزادی کا مطالبہ کرنے میں یقیناً حق بجانب ہوگی۔ لیکن ایک فرقہ جو خود ابھی تک اپنے آپ کو ایک فرقہ ہی خیال کیے ہوئے ہے کس بنا پر اپنی آزادی کا دعویٰ کرسکے گا؟ ضروری ہے کہ اسے ہمیشہ کیلئے ایک فرقہ ہی بنے رہنا چاہیے، لیکن اگر کبھی وہ ایسی کم مایہ زندگی کو برداشت نہ کرسکے تو پھر اسکے لیے بجز اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ وہ پہلے "فرقہ" کے درجہ سے "نیشن" کے درجہ کی طرف ارتقا کرے، یعنی پہلے اس فرقہ کو جس سے وہ خود متعلق ہے آزادی و خود مختاری کے ذریعہ سے نیشن بنائے۔

پس اگر مذکورہ بالا سیاست داں طبقہ کسی قوم سے تعلق رکھتا ہے تو وہ محض اپنی قوم ہی کی نمایندگی و آزادی کا دعوے دار ہوسکتا ہے، دوسروں کا نہیں۔ اور اگر اس کے قرب جوار یا ہمسائے میں بعض دوسری قومیں اسی کی طرح محکوم و اسیر آباد ہوں، اور ان کی آزادی اسکی آزادی کے ساتھ لازم و ملزوم کا درجہ رکھتی ہو، تو وہ ایسی تمام قوموں کو اپنے ساتھ مل کر آزادی کی مہم سر کرنیکی دعوت تو دے سکتا ہے مگر اپنے اندر مدغم ہوجانے کی نہیں۔ لیکن اگر یہ

سیاست داں طبقہ کسی قوم کی بجائے ملک کے کسی فرقہ یا کمیونٹی سے تعلق رکھتا ہے تو وہ خود چونکہ نیشن نہیں بلکہ ایک فرقہ ہے، اس لیئے وہ ملک کی دوسری قوموں کو (جو اپنے آپ کو قومیں شمار کرتی ہیں) اُن کے اصلی مقام سے گرا کر فرقے یا کمیونٹیز کے نام سے نہیں پکار سکتا۔ یہ تو اسی وقت ممکن ہے جبکہ سب قومیں اپنے آپ کو فرقے قرار دے لیں اور اپنے آپ کو ایک ہی قوم کا جزء سمجھیں، لیکن جب تک ان فرقوں میں سے ایک بھی ایسا فرقہ باقی ہے جو اپنے آپ کو فرقہ نہیں بلکہ قوم کہتا ہے تو اس صورت میں مذکورۂ بالا سیاست داں طبقہ کو کوئی حق نہیں پہنچتا کہ وہ خواہی نخواہی اور زبردستی اسے فرقہ ہی کہہ کر پکارتا چلا جائے۔

اگر وہ اس انتباہ و آگاہی کے باوجود ایسا ہی کرتا چلا جا رہا ہے، تو پھر اس فرقہ یا قوم کی جس سے وہ خود متعلق ہے اس میں ضرور کوئی خاص غرض پوشیدہ ہے۔

ایک تیسری پوزیشن بھی ہے اور وہ یہ کہ اگر مذکورۂ بالا سیاست داں طبقہ ملک کی سب قوموں یا فرقوں کے نمائندوں پر مشتمل ہے تو اس صورت میں اگر یہ نمائندے اپنے اپنے متعلقات کو قومیں سمجھ رہے ہیں تو یقیناً وہ اپنی قومیتوں کی حدود کو واضح اور متعین کرنے کے بعد آپس میں آزادی کے حصول کی غرض سے اشتراکِ عمل کر رہے ہوں گے۔ اور اگر وہ اپنے اپنے متعلقات کو قوموں کی بجائے فرقے قرار دیئے ہوئے ہیں تو پھر ان کے درمیان کوئی اختلاف ہی موجود نہ ہونا چاہیئے، کیونکہ وہ اس صورت میں ایک ہی قوم کے مختلف اجزاء ہیں اور ان کی حیثیت اسکے سوا کچھ نہیں کہ وہ ایک محکوم و اسیر "نیشن" ہیں جو اپنی کھوئی ہوئی جگہ کو پھر حاصل کرنے کے لیے آزادی کا مطالبہ کر رہی ہے۔ مگر کیا فی الواقع انکی یہی پوزیشن ہے؟

اس بحث سے ہمیں یہ معلوم ہو گیا کہ ہمارے حکمرانوں کا جو زاویۂ نگاہ ہمارے متعلق ہے، وہ خود ہمارا نہیں ہو سکتا۔ ہم یہاں اس عظیم الشان ملک میں فرقوں کی حیثیت میں آباد

نہیں ہیں، بلکہ مختلف قومیں ہیں۔ ہمیں انگریزوں کا فرقے یا کمیونٹیز کہہ کر پکارنا اور "نیشنز" کا لقب نہ دینا، آئین و سیاستِ حاضرہ کا ایک نہایت ہی نازک اور دقیق مسئلہ ہے۔

"کوئی نیشن" کسی دوسری نیشن پر حکمراں نہیں ہو سکتی" یہ اصول تسلیم کر لیا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ محکوم قوم پر لفظِ "نیشن" کا اطلاق نہیں کیا جاتا بلکہ جیسا کہ اوپر کسی جگہ بیان ہو چکا ہے "نیشن" صرف اسی مجموعۂ افراد کو کہا جاتا ہے جو اپنی حدود کے اندر آزاد و خود مختار زندگی بسر کر رہے ہوں اور اسٹیٹ کے مظہر ہوں۔

(۳) اس امر کے معلوم ہو جانے کے بعد کہ ہندوستان میں فرقے نہیں بلکہ مختلف قومیں آباد ہیں، ہم طبعاً اس سوال کے حل کی منزل پر پہنچ جاتے ہیں کہ وہ سیاستداں طبقہ جو ہمارے اندر ہمارے حکمرانوں کا سازاویۂ نگاہ رکھتا ہے، خود کیوں مجبور ہے کہ ایسا زاویۂ نگاہ اختیار کرے۔

اگر یہ طبقہ ان تمام گروہوں سے متعلق ہے، جو ہندوستان میں آباد ہیں اور اپنے آپ کو فرقے تسلیم کر رہے ہیں تو چونکہ ہر فرقہ ایک ہی قوم کا جز رہے، کسی فرقہ کی طرف سے یہ صدا بلند نہ ہونی چاہیے کہ وہ فرقہ نہیں بلکہ ایک علحدہ قوم ہے۔ لیکن اگر اس قسم کی کوئی صدا بلند ہوتی ہے تو یہ امر ماننا پڑیگا کہ مذکورۂ بالا سیاسی طبقہ تمام گروہوں پر (جو فرقے نہیں بلکہ قومیں ہیں) مشتمل نہیں ہے، بلکہ یا تو کسی ایک ایسے گروہ پر مشتمل ہے جو خود ایک قوم ہے اور اپنی قومیت کو پھیلانا چاہتا ہے، یا پھر کوئی ایسا طبقہ ہے جو کسی قوم سے کٹ کر علحدہ ہو چکا ہے، اور ایک الگ قومیت بنانے کا آرزومند ہے۔

اگر حقیقت یہ ہو کہ وہ کسی قوم سے علحدہ ہو کر اپنی الگ قومیت بنانا چاہتا ہے تو وہ اپنے ہی مخصوص فرقہ کی جسے وہ ایک قوم میں تبدیل کرنا چاہتا ہے، نمائندگی کرنے کا ادعا کر سکتا ہے وہ دوسری قوموں کو اپنی ہی طرح فرقے قرار دے کر اپنے فرقے کی طرف نہیں کھینچ سکتا لیکن

اگر پہلی صورت ہے تو اس صورت میں اسکی حیثیت کسی ایک قوم کے نمائندہ عنصر کی سے ہے اور اس کا اپنے حکمرانوں کا سا زاویۂ نگاہ اختیار کرنا سوائے اسکے اور کوئی معنی نہیں رکھتا کہ وہ خود اپنی قوم کے لیے حکمرانوں کی جگہ حاصل کرنا چاہتا ہے، یعنی موجودہ حکمرانوں کو بیدخل و بے دست و پا کرکے ملک کی عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینا چاہتا ہے۔ ضرور ہے کہ اس سیاست داں طبقہ کی اتنی بلند آرزو کسی مضبوط اساس پر قائم ہو یعنی اس کی قوم میں اتنا دم خم موجود ہو کہ وہ اتنی بلند آرزو کی تکمیل کر سکے۔

اس امر کے معلوم کرنے کے لیے ہمیں دریافت کرنا پڑے گا کہ وہ وسائل و ذرائع کس قسم کے ہو سکتے ہیں جن پر اتنی بلند آرزو قائم کی جا سکتی ہے۔

ایک ایسے ملک میں جہاں ایک سے زیادہ قومیں آباد ہوں کسی ایک قوم کا اس قسم کی آرزو میں مبتلا ہونا صاف ظاہر کرتا ہے کہ

(الف) وہ تعداد میں سب قوموں سے زیادہ ہے۔

(ب) اس کی مالی ساخت بہت زیادہ مضبوط ہے۔

(ج) وہ علمی حیثیت سے دوسری قوموں سے بڑھی ہوئی ہے۔

(د) دوسری قوموں سے اس کے تعلقات اچھے نہیں ہیں۔

(ہ) اسے ایسا نظام حکومت میسر ہے جس میں مندرجہ بالا خصوصیات سیاستاً اس کے اقتدار و قوت میں اضافہ کا باعث بن سکتی ہیں۔

اس معیار کو سامنے رکھ کر ہمیں بغیر کسی دقت کے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے ملک میں ایسی قوم صرف ہندوؤں کی قوم ہو سکتی ہے۔ وہ تعداد میں اور قوموں کی نسبت سہ گنی زیادہ ہے۔ اسکی مالی ساخت بہت مضبوط ہے۔ وہ علمی حیثیت میں بھی اور قوموں سے

.... بڑھ چڑھ کر ہے۔ ملک کی دوسری قوموں سے اس کے تعلقات خود غرضانہ اور رقیبانہ ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ ملک کے اندر ایک ایسا نظام حکومت پیدا ہو رہا ہے جو اپنے سسٹم کے ماتحت صرف اسی ایک قوم کو سب سے زیادہ پولیٹکل اقتدار بخشتا ہے۔ لہذا ضرور ہے کہ مذکورۂ بالا سیاستداں طبقہ اسی قوم میں سے ہو اور حقیقت میں سچ مچ یہ طبقہ اسی قوم سے متعلق ہے۔

پس ہمیں معلوم ہوگیا کہ درحقیقت ہندوستان کا یہ سیاستداں طبقہ جو ہندی قومیت کی آواز لگا رہا ہے، صرف ایک قوم سے تعلق رکھتا ہے اور وہ ہندوؤں کی قوم ہے۔ یہ طبقہ اسی کی نمائندگی کرتا ہے اور اسی کے اقتدار و آزادی کا طالب ہے اور ہندوستان کی باقی سب قوموں کو نہ صرف خارجی حکومت کی بجائے خود اپنی قومی حکومت کا مطیع و منقاد دیکھنا چاہتا ہے، بلکہ اپنے قومی وجود میں ان کو جذب کرکے زیادہ عظمت حاصل کرنے کا خواہشمند ہے۔

یہاں اگر یہ کہا جائے کہ اس طبقہ کے افراد میں بعض وہ اشخاص بھی تو شامل ہیں جو دوسری قوموں سے تعلق رکھتے ہیں، تو یہ اعتراض نہایت آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے۔ ایسے اشخاص اس طبقہ میں یا تو دیانت دارانہ شامل ہوئے ہیں یا ان کی شمولیت غیر دیانت دارانہ ہے۔ اگر انکی شمولیت غیر دیانت دارانہ ہے، تو ضرور ان کی شمولیت کسی اپنی خاص اور ذاتی غرض پر مبنی ہوگی لہذا ایسے اشخاص ہماری بحث سے خارج ہیں۔ اور اگر ان کی شمولیت دیانت داری پر مبنی ہوا تو پھر ان کی یہ دیانتداری دو پہلو رکھتی ہے: ایک ذاتی اور دوسرے قومی۔

اگر وہ اپنی ذات میں دیانتدار ہیں تو پھر کہا جا سکتا ہے کہ انہوں نے اصل مسئلہ کو پوری طرح سمجھا نہیں ہے اور اسی ناسمجھی کا نتیجہ ہے کہ وہ ایسے طبقہ میں شامل ہوگئے ہیں جو ان کی اپنی قوم کی نہیں بلکہ کسی دوسری قوم کی نمائندگی کر رہا ہے۔

اور اگر ان کی دیانتداری قومی پہلو رکھتی ہے تو پھر اس امر کی کوئی گنجائش نہیں کہ ہم کہہ سکیں کہ انہوں نے مسئلہ کے تمام مالۂ وما علیہ پر نظر نہیں کی۔ وہ جانتے ہیں کہ جس طبقہ میں وہ شامل ہو رہے ہیں وہ کسی دوسری قوم کی نمائندگی کر رہا ہے، لیکن ماحولِ سیاسی کے ماتحت وہ اس طبقہ میں شامل ہونا اس بنا پر ضروری خیال کرتے ہیں کہ وقت آنے پر وہ اپنی قوم کے لیے جداگانہ حقوق و امتیاز حاصل کر سکیں گے۔ لیکن سیاسی ماحول کے دباؤ اور فشار نے انہیں یہاں آ کر غلط کر دیا ہے مسئلہ خاص حقوق و امتیاز حاصل کرنے کا نہیں ہے بلکہ اپنی قومی ہستی کے قائم رکھنے اور نمایاں کرنے کا ہے۔ اور یہ محض اسی وقت ممکن ہے جبکہ خاص حقوق و امتیاز کی حدود اتنی واضح اور استوار ہوں کہ کسی دوسری قوم کے خاص حقوق و امتیاز ان حدود میں متجاوز نہ ہو سکیں۔ دو ہمسایوں کے خاص حقوق و امتیازات کی حدود اسی وقت تک ایک دوسرے کے تجاوزات سے معصُون رہ سکتی ہیں جبکہ ان حدود کے درمیان کوئی ناقابلِ تجاوز سدّ موجود ہو۔ لہٰذا اگر وہ اس طرح کی شمولیت کے وقت ایسی کسی سدّ کا ذکر و بیان نہیں کرتے تو پھر ان کی حیثیت ان دو ہمسایوں کی طرح ہوگی جو کسی ایک ہی گھر میں بغیر کسی سدّ اور اوٹ کے اکٹھے زندگی بسر کرتے ہیں اور جو اُن میں قوی تر ہے وہ ہمیشہ دوسرے کو اپنی مرضی و ارادہ کا غلام بنائے رکھتا ہے۔ جو لوگ ایسی صورتِ حال کو گوارا کر رہے ہیں انکی دیانت پر ہمیں خواہ مخواہ حملہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر ایسے اشخاص کو دیانتدار فرض کرتے ہوئے بھی، جب ہم ان کے تدبّر کو منطقی اور علمی طور پر جانچیں گے تو انکی کسی ایسے طبقہ میں شمولیت ذاتی رہ جائیگی قومی نہیں۔

لہٰذا اس سیاستداں طبقہ میں جسکا ذکر یہاں ہو رہا ہے اگر بعض قوموں کے افراد شامل ہوں بھی تو وہ خود اسی کا ایک جزو اور حصہ سمجھے جائینگے، دوسری قوموں کے نمائندہ عنصر ہرگز نہ ہونگے۔

تنزیل و تاویل

سورۂ طور کی قسمیں

(از جناب مولوی داؤد اکبر صاحب اصلاحی)

قرآن پاک کا ہر طالب علم جب اس سورہ کو پڑھے گا تو باول وہلہ اس کے ذہن میں اسکی قسموں کی غرض و غایت کی بابت ضرور سوال پیدا ہوگا۔ ہمیں بھی قرآن مجید کے اسرار و حکم معلوم کرنے کا شوق ہے۔ گو کہ ؎

احب الصالحین ولست منہم
لعل اللہ یرزقنی الصلاحا

اس لیے مطالعہ کے وقت ہمارے ذہن میں بھی اسکی قسموں کی بابت نہایت اہمیت سے سوال پیدا ہوا۔ آج کی صحبت میں اسی سوال کی ہم تحقیق کرینگے۔ لیکن اس اعتراف کے ساتھ کہ ہم نے اس اہم سوال کا جو حل سوچا ہے ضروری نہیں کہ ارباب تفسیر کو اسکے تمام پہلوؤں سے اتفاق ہو بلکہ ہمیں تو اس کا بھی اندیشہ ہے کہ ارباب تفسیر کو اس باب میں ہمارے بیشتر نظریات سے اختلاف ہوگا۔ سوال ہو سکتا ہے کہ پھر ایسے غیر معروف نظریے پیش کرنیکی ضرورت ہی کیا ہے؟ واقعتاً ایسا ہی ہونا چاہیے۔ لیکن ہم پوری ایمانداری سے کہتے ہیں کہ اس سوال پر اس ادعا کے ساتھ ہم نے قلم اٹھایا ہی ...... نہیں ہے کہ اسکی تمام پر پیچ وادیاں ہموار کر لی ہیں۔ بلکہ محض اس توقع پر اس کٹھن راہ میں قدم رکھا ہے کہ ممکن ہے خدا کوئی بہترین حل سمجھا دے۔ اس نے

کہ - وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا کا اصول اٹل ہے، اور اس امید پر کہ اگر ہمیں اصل حقیقت کے سراغ لگانے میں ناکامی ہوئی تو بہت ممکن ہے وہ حضرات جو فہم قرآن کی دولت سے مالا مال ہیں اس باب میں ہماری رہبری فرماوینگے، اس لئے کہ "وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ عَلِيْمٌ" اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابتہ ہے جس میں لیت ولعل کی یکقلم گنجائش نہیں ہے۔

ہم نے سورۂ بروج کی قسموں کی بابت بحث کرتے وقت (ترجمان القرآن ذی الحجہ ۱۳۵۵ھ) ..... اجمالاً قسم کا مفہوم شہادت ثابت کیا تھا اور وعدہ کیا تھا کہ چونکہ یہ مبحث نہایت اہم ہے اس لئے اس کی مزید شرح کسی دوسری صحبت میں کی جائے گی۔ مگر ہمیں سخت افسوس ہے کہ اور مشاغل نے ہمیں اس طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ دی۔ لیکن اگر ناظرین ترجمان القرآن اُس مختصر تشریح (بابت قسم بروج) کو سامنے رکھیں گے تو بہت ممکن ہے کہ آج کی صحبت میں جو کچھ ان کے سامنے پیش کیا جائے گا اس کے سمجھنے میں ایک حد تک اس سے مدد مل سکے گی۔

قبل اس کے کہ پیش نظر سورہ کے مقسم بہ کی غرض وغایت کی بابت کچھ عرض کریں مناسب ہوگا کہ ایک نہایت ہی اہم اور ضروری مرحلہ سے گذر لیا جائے تاکہ اس سے متعلق اور مباحث کے سمجھنے میں آسانی ہو۔ وہ پیش نظر سورہ کی قسموں کے مرکز کی تعیین ہے۔

سورۂ طور کی شہادتوں کا مرکز

اس میں شک نہیں کہ اس سے ماقبل کی سورہ دینونت (جزا و سزا) کے اثبات میں واقع ہے اور اس کی جملہ قسمیں قیامت کبریٰ کے وقوع پر شاہد عدل ہیں۔ پیش نظر سورہ میں بھی غور و فکر کرنے سے یہی مترشح ہوتا ہے۔ اور یہ کچھ ہمارا ہی نظریہ نہیں ہے بلکہ جمہور مفسرین بھی اس بارے میں ہمارے ہمنوا ہیں۔ فرق محض اجمال و تفصیل کا ہے۔

مقسم علیہ کی تعیین کے بعد قاعدہ کی رو سے ہمیں مقسم بہ اور مقسم علیہ کی مناسبت سے بحث کرنی چاہیے۔ لیکن بغیر قسموں کی شرح تعیین کے مناسبت کی بحث قبل از وقت ہوگی اس لئے پہلے ہم قسموں کی شرح و تعیین کرینگے۔

سورۂ طور کی قسموں کی شرح و تعیین

وَالطُّوْرِ۔ وقوع دینونت پر یہ پہلی شہادت ہے تفسیروں کے استقراء سے معلوم ہوتا ہے کہ سلف سے لیکر آج تک تمام مفسرین اس شہادت کے بارے میں متفق ہیں کہ اس سے وہی جبلِ اقدس مراد ہے جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شرف تکلم حاصل ہوا تھا۔ اسی لئے اس پر ا۔ ل تعریف کا بھی داخل ہے۔ اور دوسرے مواقع پر اضافت کے ساتھ مذکور ہے (وطور سینین و طور سیناء)

وَكِتَابٍ مَّسْطُوْرٍ۔ عدالت الٰہیہ کے قیام کے باب میں یہ دوسری شہادت ہے۔ اس شہادت کے بارے میں تفسیروں میں متعدد اقوال مذکور ہیں۔ ان میں سے چند مشہور اقوال کا خلاصہ درج کیا جاتا ہے۔ تفصیل کے لیے ابن جریرؒ اور دیگر تفاسیر کی جانب مراجعت کرنی چاہیے۔

(۱) بعض حضرات اس سے لوح محفوظ مراد لیتے ہیں۔

(۲) بعضوں کے نزدیک اس سے اعمالنامہ مراد ہے۔

(۳) بعضے اس سے مطلق صحیفہ مراد لیتے ہیں۔

(۴) بعض بزرگوں نے اس سے قرآنِ پاک مراد لیا ہے۔

(۵) کچھ لوگوں نے اس سے توراۃ مراد لی ہے۔

اس شہادت کے بارے میں مشہور اقوال یہی ہیں۔ ہمارے نزدیک دو ابتدائی قولوں کے علاوہ بقیہ کے لینے میں کچھ حرج نہیں۔ تفصیل مناسبت کے باب میں آئیگی۔

وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ۔ عدل الٰہی کے ثبوت میں یہ تیسری حجت ہے۔ اس کے بارے

میں دو قول مشہور ہیں۔

(۱) بعض حضرات اس سے خانۂ کعبہ مراد لیتے ہیں۔

(۲) بعض بزرگوار اس سے خانۂ کعبہ کے محاذ ہی میں ملائکہ کا کعبہ مانتے ہیں۔

مذکورۂ بالا شہادت کے بارے میں مفسرینؒ سے یہی دو اقوال پایۂ شہرت کو پہنچے ہوئے ہیں۔ لیکن سخت افسوس ہے کہ ہمیں ان کی رائے سے اتفاق نہیں۔ اس کے وجوہ مناسبت کے باب میں مذکور ہیں۔

وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ۔ وقوعِ جزا پر یہ چوتھی دلیل ہے۔ اس شہادت کے بارے میں جمہور مفسرین متفق ہیں کہ اس سے نظام علوی مراد ہے۔

وَالْبَحْرِ الْمَسْجُوْرِ۔ یہ وقوعِ قیامت پر پانچویں حجت ہے۔ اس کے متعلق تفسیروں میں دو اقوال مذکور ہیں جن کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

(۱) دنیا کے عام موجزن دریا مراد ہیں۔

(۲) وہ عظیم الشان دریا مراد ہے جو عرش کے نیچے اور آسمان کے اوپر واقع ہے۔

اس بارے میں مفسرینؒ سے یہی دو اقوال منقول ہیں۔ پہلے قول سے تو ایک حد تک ہمیں بھی اتفاق ہے، لیکن دوسرے قول کی کوئی توجیہ ہماری سمجھ میں نہیں آئی۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جس روایت سے یہ قول ماخوذ ہے وہ ناقابلِ قبول ہے۔ لیکن اتنا ضرور کہنے کی جرأت کرینگے کہ اس روایت کا اس آیت کی تفسیر میں لانا غیر ضروری ہے۔ ہم نے سیاق و سباق کی روشنی میں اس شہادت سے متعلق ایک دوسری رائے قائم کی ہے۔ وہ یہ کہ اس سے وہ دریا مراد ہے جس میں فرعون کی قوم غرق کر دی گئی تھی۔ اس اجمال کی تفصیل مناسبت کے باب میں بیان ہوگی۔

تفصیل بالا سے مقسم بہ کی تعیین ہوگئی - اب دیکھنا یہ ہے کہ ان شہادتوں میں مناسبت ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ دعوے اور دلائل میں کوئی لگاؤ ہے یا نہیں؟

مقسم بہ اور مقسم علیہ میں مناسبت

اس میں ذرا بھی شک کی گنجایش نہیں کہ پیش نظر سورہ کی پانچوں شہادتوں کا مرکز ایک ہے یعنی یہ کہ دینونت کبریٰ کا وقوع یقینی ہے - دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اتقیاء و اشقیاء میں تفریق کی گھڑی ضرور آئیگی - اس کے بغیر نظام عالم عبث ہے - اب ہم تمام شہادتوں کی دعوے سے مناسبت بیان کرینگے تاکہ مقسم بہ اور مقسم علیہ میں جو حقائق پوشیدہ ہیں اجاگر ہوں -

(۱) وَالطُّورِ - یہ کسی پر مخفی نہیں کہ طور ہی وہ مقام ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ایک مقہور اور مظلوم قوم کو اس کے صبر و برداشت کی بدولت اپنی نوازشہائے بے پایاں سے نوازا اور اس کے دشمنوں کی دھاک مٹادی اور اسے ایک ایسی شریعت بخشی جو منکرین و معاندین کیلیے یکسر تازیانۂ عذاب تھی اور طالبان حق کیلیے سراپا رحمت و اکسیر - چنانچہ تاریخ شاہد ہے کہ جن لوگوں نے اس روحانی عطیۂ خداوندی کو قبول کیا، خدا نے سارے عالم کے قلوب ان کی طرف جھکا دیے اور سارے عالم کی نگہبانی ان کے سپرد کردی، اور جن لوگوں نے اس کے قبول کرنے سے اعراض کیا وہ دنیا اور آخرت کی دونوں دولتوں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محروم ہوگئے - خَسِرَ الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃَ یہ شاعری نہیں بلکہ واقعہ ہے - بنی اسرائیل کی تاریخ ہمارے دعوے پر شاہد ہے - الغرض اس مقام پر جو واقعہ ہوا وہ مظلوم حامیان حق پر لطف و نوازش اور ظالموں پر قہر و غضب کی ایک نہایت روشن مثال ہے - اس لیے کہ عدالت الٰہیہ کے قیام کے وقت بھی ایسا ہی ہوگا کہ جو مقہور ہیں وہ غالب ہونگے، جو بھوکے ہیں وہ آسودہ ہونگے، اور جو ظالم ہیں وہ ذلیل و شرمسار ہوں گے، اور جو سرکش ہیں آسمانی بادشاہت کا دروازہ اُن کے لیے کبھی نہ کھلے گا -

(۲) وَکِتَابٍ مَّسْطُورٍ - اس شہادت میں دینونت کے مختلف پہلو ہیں - اگر اس سے عام صحف سماویہ مراد لیے جائیں تو اس میں بھی کوئی زحمت نہیں - دنیا میں جتنے انقلابات ہوئے ہیں ان میں سب سے اہم کڑی صحف سماویہ کا نزول ہے، اس لیے کہ اس سے محض قوموں کے ظاہری احوال ہی میں تغیر نہیں ہوا ہے بلکہ ان کی روحانی زندگی کی بھی کایا پلٹ ہو گئی ہے - ایسا تمام پیغمبروں کے عہد مبارک میں ہوا ہے - سو جس طرح ہر بعثت کے وقت صفحۂ ارض پر انقلاب ہوا ہے اور اس میں زیادہ تر صحیفۂ آسمانی ہی کا دخل تھا، اسی طرح جب وہ فیصلے کی گھڑی آپہنچے گی تو ایک انقلابِ عظیم ظہور میں آجائیگا - کتنے اگلے پیچھے کی صف میں ہونگے، اور کتنے ضعیف و ناتواں عرشِ الٰہی سے قریب ہونگے - الغرض صحائف کے نزول میں بھی دینونت کی روشن مثال ہے، اور یہی دینونت کا نقشہ قیامت کے دن نظروں کے سامنے ہوگا -

اور اگر اس شہادت سے توراۃ مراد لیں جیسا کہ پہلی شہادت (والطور) کا اقتضاء ہے تو اس صورت میں بھی دینونت کا پہلو واضح ہے - وہ یوں کہ جس طرح توراۃ کے نزول سے عناصر فاسدہ کا قلع قمع کر دیا گیا اور مقہوروں کو سربلند کیا گیا (بنی اسرائیل کی تاریخ اس نظریہ کی تصدیق کریگی) بعینہٖ اُسی طرح اُس روز جبکہ خدا کی عدالت قائم ہوگی، مجرمین اپنے اعمال کی سزا پائینگے اور صلحاء نعمائے الٰہی سے لطف اندوز ہونگے - نزول توراۃ کے بعد جو کچھ ہوا اس میں دینونت کی ایک روشن مثال ہے -

اور اگر اس شہادت سے قرآنِ پاک مراد لیا جائے، جیسا کہ اکثر مفسرینؒ کا خیال ہے اور اسی نظریہ کی پرزور تائید امام ابن قیمؒ نے بھی اپنی معرکتہ الآراء تصنیف اقسام القرآن میں کی ہے، تو بھی کوئی دقت نہیں، اس لیے کہ قرآن پاک کا دینونت ہونا صحف سابقہ سے بھی ثابت ہے حضرت مسیحؑ فرماتے ہیں :-

جس پتھر کو راجگیروں نے ناپسند کیا وہی کونے کا سرا ہوا یہ خداوند کی طرف سے ہے اور ہماری نظروں میں عجیب، اس لیے میں تم سے کہتا ہوں کہ خدا کی بادشاہت تم سے لے لی جائیگی۔ اور اس قوم کو جو اس کے پھل لائیگی دے دی جائیگی۔ جو اس پتھر پر گریگا چور ہو جائیگا پر جس پر وہ گریگا اسے پیس ڈالیگا۔

(متی باب ۲۱۔ آیت ۴۲ - ۴۴)

ایک دوسرے موقع پر فرماتے ہیں:۔

"اس وقت آسمان کی بادشاہت ان دس کنواریوں کی مانند ہوگی جو اپنی مشعلیں لیکر دولھا کے استقبال کے واسطے نکلیں۔ ان میں پانچ ہوشیار اور پانچ نادان تھیں۔ انھوں نے اپنی مشعلیں لیں مگر تیل ساتھ نہ لیا پر ہوشیاروں نے اپنی مشعلوں کے ساتھ برتنوں میں تیل لیا۔ جب دولھا نے دیر کی سب اونگھنے لگیں اور سو گئیں آدھی رات کو دھوم مچی کہ دیکھو دولھا آتا ہے اس کے استقبال کے واسطے نکلو تب ان کنواریوں نے اٹھ کر اپنی مشعلیں درست کیں اور نادانوں نے ہوشیاروں سے کہا اپنے تیل میں سے ہمیں بھی دو کہ ہماری مشعلیں بجھی جاتی ہیں پر ہوشیاروں نے جواب میں کہا ایسا نہ ہو کہ ہمارے اور تمہارے واسطے کفایت نہ کرے بہتر ہے کہ بیچنے والوں کے پاس جاؤ اور اپنے واسطے مول لو جب وہ خریدنے گئیں دولھا آپہنچا اور وہ جو تیار تھیں اسکے ساتھ شادی کے گھر میں گئیں اور دروازہ بند ہوئے پیچھے وہ دوسری کنواریاں بھی آئیں اور کہنے لگیں اے خداوند اے خداوند ہمارے لئے دروازہ کھول تب اس نے جواب میں کہا میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ میں تمہیں نہیں پہچانتا۔ اس لیے جاگتے رہو کیوں کہ تم نہیں جانتے کہ کون سے دن یا کون سی گھڑی ابن آدم آئیگا۔" (متی باب ۲۵ آیت ۱-۱۳)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں:۔

"اور درختوں کی جڑ پر اب کلہاڑا رکھا ہے پس ہر ایک درخت جو اچھا پھل نہیں لاتا کاٹا اور آگ میں ڈالا جاتا ہے۔ میں تو تمہیں توبہ کیلئے پانی سے بپتسمہ دیتا ہوں لیکن وہ جو میرے بعد آتا ہے مجھ سے زور آور ہے کہ میں اس کی جوتیاں اٹھانیکے لائق نہیں وہ تمہیں روح القدس اور آگ سے بپتسمہ دیگا اس کا سوپ اس کے ہاتھ میں ہے اور وہ اپنے کھلیان کو خوب صاف کریگا اور اپنے گیہوں کو کھتے میں جمع کرے گا پر بھوسے کو اس آگ میں جو ہرگز نہیں بجھتی جلائیگا۔

(متی باب۔ آیت ۱۰-۱۲)

ایک دوسرے موقع پر قرآنِ پاک کو "آتشیں شریعت" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

مذکورۂ بالا حوالجات سے قرآنِ پاک کا دینونت کبریٰ کا مظہر ہونا واضح ہے۔ خود قرآنِ پاک میں بہت سی آیات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ خدا کی یہ آخری شریعت منکرین ومکذبین کے لیے تازیانۂ عذاب ہے اور مومنین وموقنین کے لیے سراپا رحمت ہے۔

سورۂ حاقہ میں فرمایا گیا ہے۔

وَاِنَّهٗ لَتَذْكِرَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ مِنْكُمْ مُّكَذِّبِيْنَ وَاِنَّهٗ لَحَسْرَةٌ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ (الحاقہ-۲)	قرآنِ پاک پرہیزگاروں کیلیے نصیحت ہے اور ہمکو خوب معلوم ہے کہ تم میں سے بعض اسکو جھٹلانے والے ہیں اور اسمیں شک نہیں کہ کافروں پر افسوس ہے

ایک دوسرے موقع پر یوں مذکور ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا۔ قَيِّمًا	ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا اور اس میں کچی ذرا نگی

لِيُنْذِرَ بَاْسًا شَدِيْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَيُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا حَسَنًا مَّاكِثِيْنَ فِيْهِ اَبَدًا وَّيُنْذِرَ الَّذِيْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا۔ (الکہف-۱)

رکھی۔ بالکل سیدھی بات ہے تاکہ خدا کی طرف سے عذابِ شدید سے ڈرائے۔ اور جو ایمان والے ہیں (اور) نیک عمل بھی کرتے ہیں انکو اس بات کی خوشخبری دے کہ انکے لیے عمدہ اجر ہے جس میں ہمیشہ وہ رہیں گے، اور ان لوگوں کو عذاب سے ڈرائے جو کہتے ہیں کہ خدا اولاد رکھتا ہے۔

مذکورۂ بالا آیات سے واضح ہے کہ ایمان والوں کیلیے قرآنِ مجید آبِ زلال ہے۔ اور منکرین کیلیے زہر ہلاہل۔ قرآن کی یہ محض دھمکی ہی نہ تھی کہ "اس کا مخالف پسیگا اور تباہ ہوگا" بلکہ فی الواقع ایسا ہوا بھی۔ اسلام کی تاریخ اس کی تائید کریگی۔ تفصیل کی اس موقع پر گنجائش نہیں۔

(۳-۴) وَالْبَيْتِ الْمَعْمُوْرِ وَالسَّقْفِ الْمَرْفُوْعِ۔ ان دونوں شہادتوں میں سے پہلی شہادت سے معمورۂ ارضی اور دوسری سے یہ سقف نیلگوں مراد ہے۔ ان دونوں قسموں میں پہلی شہادت سے جمہور مفسرین کے خلاف ہم نے ایک دوسری راہ اس لئے اختیار کی ہے کہ جزا و نبوت کے باب میں عالم علوی وسفلی سے استشہاد قرآن پاک میں بیک وقت شائع و ذائع ہے اور یہی چیز یہاں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو:-

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کی گردش میں ان عقل والوں کیلیے جو خدا کو اٹھتے بیٹھتے لیٹتے یاد کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار یہ نظام تو نے عبث نہیں بنایا ہے

وَالْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ (آل عمران)

تو پاک ہے پس ہمیں عذاب دوزخ سے بچا۔

ایک دوسرے مقام پر ہے :۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ۔ (الحجر-۶)

اور ہم نے نہیں پیدا کیا ہے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے مگر حق کے ساتھ اور قیامت ضرور آئیگی پس اے پیغمبر کفار کی شرارتوں سے خوش اسلوبی کیساتھ درگذر کرو۔

ایک دوسرے موقع پر یوں مذکور ہے :۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَاءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ (الانبیاء - ۲)

اور ہم نے نہیں پیدا کیا آسمان اور زمین کو اور جو کچھ انکے درمیان ہے کھیل کے طور پر۔

ایک اور موقع پر ہے :۔

اَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوْا فِيْ اَنْفُسِهِمْ مَا خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ وَاَجَلٍ مُّسَمًّى الآیہ۔ (الروم-۱)

کیا انہوں نے اپنے جی میں غور نہیں کیا کہ خدا نے آسمان اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، نہیں پیدا کیا مگر حق کیساتھ اور ایک مدت معینہ تک کیلیے۔

ایک اور مقام پر یوں وارد ہے :۔

اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَّجْرِيْ لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءِ رَبِّكُمْ تُوْقِنُوْنَ

خدا ہی نے آسمانوں کو بغیر کسی سہارے کے بلند کیا ہے جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو پھر عرش پر استوار ہو گیا اور اسی نے چاند اور سورج کو مسخر کیا ہے ہر ایک وقت مقرر تک چلتا ہے وہی امور کی تدبیر کرتا ہے تاکہ تمہارے اندر خدا سے ملنے

وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الْأَرْضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنْهَارًا۔ الآیہ (الرعد - ۱)	اور اسی نے زمین کو پھیلایا اور اس میں اٹل پہاڑ اور دریا بنا دیے ۔

ایک دوسری جگہ یوں ہے :۔

إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۔ (الجاثیہ - ۱)	بیشک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لیئے دلائل ہیں ۔

ایک اور جگہ یوں مذکور ہے :۔

أَلَمْ نَجْعَلِ الْأَرْضَ مِهَادًا وَّالْجِبَالَ أَوْتَادًا وَّخَلَقْنَاكُمْ أَزْوَاجًا وَّجَعَلْنَا نَوْمَكُمْ سُبَاتًا وَّجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا وَّجَعَلْنَا النَّهَارَ مَعَاشًا وَّبَنَيْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعًا شِدَادًا وَّجَعَلْنَا سِرَاجًا وَّهَّاجًا (النبا - ۱)	کیا ہم نے زمین کو فرش اور پہاڑوں کو میخ نہیں بنایا اور ہم ہی نے تم کو جوڑا جوڑا پیدا کیا ہے اور ہم ہی نے تمہاری نیند کو موجبِ راحت بنایا ہے اور ہم ہی نے رات کو پردہ اور دنکو روزی کے حصول کا ذریعہ بنایا ہے اور ہم ہی نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے ہیں اور ہم ہی نے روشن مشعل بنائی ہے ۔

احتواء مقصود نہیں ورنہ نہ معلوم کتنے مقامات پر اس قسم کی آیات مذکور ہیں جن میں کہیں تو بلحاظ حکمت ان دونوں چیزوں کو جزاء کے ثبوت میں پیش کیا گیا ہے اور بعض جگہ امکان معاد پر خالق کی قدرت قاہرہ کے ان دونوں مظاہر سے استشہاد کیا گیا ہے ۔ یہی چیز ان دونوں پیشِ نظر آیتوں میں بھی مرعی ہے ۔ فرق محض اسلوب کلام کا ہے ، ورنہ باعتبار معنیٰ کوئی فرق نہیں ہے واللہ اعلم بالصواب ۔

(۵) والبحر المسجور ۔ اس شہادت سے اگر عام موج زن دریا مراد لیا جائے تو اس کی گنجائش ہے اور اس صورت میں مقسم اور مقسم بہ میں مناسبت کی یہ صورت ہوگی کہ دریاؤں سے جو

تباہیاں یا فائدہ رسانیاں ظہور میں آتی ہیں ان میں قیامت کبریٰ کے وقوع کی ایک بہت بڑی بدرست مثال ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک اس سے بحرِ قلزم مراد لینا بہتر ہے۔ اس لیے کہ یہی وہ دریا ہے جہاں حق و باطل میں معرکہ آرائی ہوئی۔ پھر آخرکار حق ہی کو غلبہ حاصل ہوا، اور باطل کے علم کے نیچے گو کہ فوجِ گراں تھی مگر کچھ نہ کر سکی اور ہمیشہ کیلیے مٹ گئی۔ موسیٰ علیہ السلام کے عہدِ سعید میں ایسا ہوا یا نہیں؟

ایک شخص کہہ سکتا ہے کہ آخر تم سب سے الگ ایک نئی تاویل کیوں کرتے ہو؟ اس کا جواب ہماری طرف سے یہ ہوگا کہ اسکی ہمارے پاس دو وجہیں ہیں۔

(۱) اس صورت میں ایک خاص واقعہ ہلاکت کی جانب اشارہ ہو جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ مخاطب کو اس واقعہ فاجعہ کا تصور لرزا دیگا اور اس کے دل میں منکرین کی راہ سے نفرت اور صلحاء کے اصول سے شیفتگی پیدا ہوگی۔ تعمیم کی صورت میں یہ فوائد حاصل نہ ہونگے۔

(۲) پہلی قسم کا بھی یہی اقتضاء ہے کہ اس سے بحرِ قلزم ہی مراد لیا جائے۔

لے "ترجمان القرآن"۔ فاضل مضمون نگار نے یہاں بیتِ معمور سے معمورۂ ارضی اور سقفِ مرفوع سے آسمان مراد لیا ہے۔ جہاں تک دوسری تاویل کا تعلق ہے اس میں تو کسی کلام کی گنجائش نہیں اس لیے کہ آسمان کیلیے چھت کا استعارہ خود قرآن میں کئی جگہ استعمال ہوا ہے۔ البتہ پہلی تاویل کے سلسلہ میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا کرۂ زمین یا عالم سفلی کیلیے "بیت" کا لفظ بھی کہیں استعمال ہوا ہے؟ یہ ظاہر ہے کہ خواہ قرآن ہو یا غیرِ قرآن، بہر حال اسکی کسی عبارت کی وہی تاویل و تعبیر درست ہو سکتی ہے جسکے خود الفاظِ عبارت متحمل ہو سکتے ہوں۔ لہذا فاضل مضمون نگار کو اپنی تاویل بیان کرنے کے ساتھ اس پہلو پر بھی روشنی ڈالنی چاہیے تھی۔

سورۂ کہف اور فتنۂ دجال

(از جناب مولانا ابوالحسن علی صاحب معلم دار العلوم ندوۃ العلماء)

سورۂ کہف کے متعلق احادیث میں آیا ہے کہ اسکی تلاوت دجال کے فتنہ سے محفوظ رکھیگی مسلم کے الفاظ ہیں۔

من حفظ عشر آیاتٍ من اول الکهف عصم من فتنة الدجال

جو ابتداء کہف کی دس آیتیں یاد کریگا وہ دجال کے فتنہ سے محفوظ رہیگا۔

شعبہ (ایک راوی) کی روایت میں "من آخر الکهف" ہے، ہمکو غور کرنا چاہیے کہ سورہ کے عام مضامین اور خصوصاً سورہ کی ابتدا و انتہا کو اس خاصیت اور تاثیر سے کیا ربط و مناسبت ہے؟ عام مفسرین نے اس ربط و مناسبت کی طرف کوئی توجہ نہیں کی، امام نووی شارح مسلم نے اس حدیث کے تحت میں اتنا لکھا ہے۔

قیل سبب ذالك ما فی اولها من العجائب والآیات فمن تدبرها لم یفتتن بالدجال وکذا فی آخرها قوله تعالیٰ۔ أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَن يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِن دُونِي أَوْلِيَاءَ

اسکا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ سورہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے بہت سی عجیب باتیں اور اپنی قدرت کی نشانیاں بیان کی ہیں۔ جو ان پر غور کریگا وہ دجال کے فتنہ میں مبتلا نہ ہوگا، اسیطرح اس کے آخر میں یہ آیت أَفَحَسِبَ الَّذِينَ كَفَرُوا الخ

لیکن یہ مناسبت بہت دور کی ہے اور تکلف سے خالی نہیں، مگر اس سے معلوم ہوا کہ مناسبت تلاش کی جا سکتی ہے۔

میرے نزدیک ایک مناسبت تو یہ ہے (واللہ اعلم بالصواب) کہ سورہ کی ابتدا میں ایک دجال صفت بادشاہ اور چند اولوالعزم اور صاحبِ استقامت نوجوانوں کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔ دجال کے متعلق احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنے بندوں کے امتحان کیلیے بہت سے خصوصی اختیارات اور غیر معمولی قوتیں عطا فرمائیگا۔ وہ ماریگا اور جلائیگا۔ اسکے ہاتھ میں بندوں کا رزق ہوگا۔ اسکے حکم سے بارش ہوگی۔ اسکے پاس بہشت نما باغ ہوگا جسمیں وہ اپنے مقبول لوگوں کو داخل کریگا۔ جہنم نما آگ ہوگی جسمیں وہ اپنے منکر اور معتوب لوگوں کو جلائیگا۔ غور کیا جائے تو خود مختار اور مطلق العنان بادشاہوں کے ہاتھ میں بھی بہت سی دجالی قوتیں ہوتی ہیں۔ وہ بھی کبھی اسکا دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم مارتے اور جلاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ۔

تم نے اس شخص کو دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے مناظرہ کیا تھا اس بنا پر کہ اللہ نے اسکو سلطنت عطا فرمائی تھی، جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے اس نے کہا میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں

ان کے ہاتھوں میں بھی اللہ کے حکم سے اسکے کچھ بندوں کا رزق ہوتا ہے۔ انکے پاس بھی ایک بہشت نما مقام ہوتا ہے جو کم ہمتوں کی جنت ہوتی ہے، جس میں ہر قسم کا عیش و لطف ہوتا ہے۔ وہ جن سے خوش ہوتے ہیں انکو اس "جنتِ شداد" میں داخل کر دیتے ہیں۔ کسیکو اپنا ندیم بنا لیتے ہیں۔ کسیکو اپنا وزیر، کسیکو زر و جواہر سے مالا مال کر دیتے ہیں، اور کسیکو کوئی منصب خطاب اور عہدہ دیکر نہال کر دیتے ہیں۔ جن سے وہ ناخوش ہوتے ہیں انکے لیے دنیا کو جہنم بنا دیتے

اور زندگی کو عذاب جان ۔ سولی پر چڑھا دیتے ہیں، یا جیلخانہ میں ڈال دیتے ہیں، جہاں وہ گھٹ گھٹ کر مرجاتا ہے ۔ کسیکو وہ جہنم دکھاکر ڈراتے ہیں، اور کسیکو وہ اپنی خوشنودی کے "سبز باغ" دکھاکر پھسلاتے ہیں ۔ جو اُس طرح انکا تابع نہیں ہوتا وہ اسطرح انکا کلمہ پڑھنے لگتا ہے ۔ انکی قہر کی نگاہ میں بھی جادو ہے کہ جس طرف اُٹھتی ہے بڑے بڑے شیر لومڑی بنجاتے ہیں ۔ انکی مہر کی نگاہ میں بھی جادو ہے کہ جس پر پڑتی ہے اپنا دین وایمان نذر کردیتا ہے ۔

ان "دجالوں" کے شعبدوں سے وہی لوگ بچ سکتے ہیں جو سلطنتوں اور بادشاہوں کی پرواہ نہ کریں، جو خزانوں کی طرف نظر اٹھاکر نہ دیکھیں، جو تخت وتاج، منصب واعزاز کو پاؤں سے ٹھکرادیں ۔ اس ہمت وایثار کی پوری مثال اصحابِ کہف تھے، جنہوں نے کسی قیمت پر اپنے ایمان کا سودا نہیں کیا، اور اسکے لیے دنیا کی کوئی رشوت قبول نہیں کی، اور کسی جال میں انکا پاؤں نہیں الجھا ۔ انکو اپنے عقیدہ سے پھیرنے کیلیے اور اپنا ہم خیال بنانے کیلیے بادشاہِ وقت نے کیا کیا ترکیبیں نہ کی ہونگی؟ انکو ڈرایا بھی ہوگا اور پھسلایا بھی ہوگا، جیلخانہ کے دروازے بھی کھول کر دکھائے ہونگے اور اپنی بہشت بریں کے پردے بھی اٹھاکر شوق دلایا ہوگا، انکو سولی اور پھانسی کی دھمکی بھی دی ہوگی اور عہدہ وجاگیر کا لالچ بھی دیا ہوگا، لیکن کوئی افسوں ان پر کارگر نہوا اور وہ یہی کہتے رہے،

رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَا۠ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا لَّقَدْ قُلْنَاۤ اِذًا شَطَطًا

ہمارا پروردگار تو وہی ہے جو آسمان وزمین کا پروردگار ہے ہم اسکے سوا کسی اور معبود کو ہرگز پکارنے والے نہیں، اگر ہم ایسا کریں تو یہ بڑی ہی بے جا بات ہوگی ۔

مسلمانوں کو اُس دجالِ اکبر کے علاوہ جو احادیث کی پیشگوئیوں کے مطابق قیامت کے قریب ظاہر ہوگا بیشمار دجالوں کا مقابلہ کرنا ہوگا ۔ یہ دجال مختلف بھیس میں آئینگے اور نئے نئے شعبدے دکھائینگے،

کبھی انکے پاس خزانہ ولشکر، منصب و اعزاز ہوگا، اور کبھی علم و فن۔ انکا مقابلہ کرنیکے لیے اور انکے فتنہ سے بچنے کیلیے اصحاب کہف کا سا ایمان اور استقامت چاہیے، اس سبق کو یاد رکھنے کیلیے مسلمانوں کو اس سورہ اور ان آیتوں کو دہراتے رہنے اور یاد کرنیکی ہدایت ہے۔

دوسری مناسبت یہ ہے کہ آخر زمانہ کی اکثر تجویزوں، تحریکوں اور کاموں میں ایک چیز بہت نمایاں ہوگی، اور وہ یہ کہ ان میں اول سے لیکر آخر تک دنیا ہی دنیا پیشِ نظر ہوگی۔ اٹھتے بیٹھتے اسیکا کلمہ پڑھا جائیگا، اور اسی کا گیت گایا جائیگا۔ خدا اور آخرت اس دائرہ سے بالکل خارج ہونگے۔ انکا نہ کوئی ذکر ہوگا نہ کوئی سوال۔ لوگ ان چیزوں کو بھولتے جائینگے۔ دنیا ہی کیلیے جیئینگے اور مرینگے۔ موجودہ تحریکوں پر غور کیجیے جنہوں نے مذہب کی جگہ لے لی ہے اور لاکھوں آدمیوں کا دین و ایمان بنگئی ہیں، یعنی وطنیت، قومیت، سوشلزم وغیرہ۔ انکے لغت میں کہیں خدا اور آخرت کا نام بھی آتا ہے؟ انکے رہنماؤں اور کارکنوں کو کسی وقت انکا تصور بھی ہوتا ہے؟ دنیا میں کوئی چیز انکے ہاں خدا اور آخرت سے زیادہ مبغوض نہیں۔

سورۂ کہف میں اس رجحان کے خلاف سب سے زیادہ مواد ہے۔ آخر میں آتا ہے:-

قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُم بِالْأَخْسَرِينَ أَعْمَالًا
الَّذِينَ ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا
وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا
أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ
فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ
لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا

کہو کیا ہم تمہیں وہ لوگ بتائیں جو اپنے اعمال کے لحاظ سے سب سے زیادہ نقصان میں رہنے والے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنکی تمام کوششیں دنیا کی زندگی ہی میں گم ہوکر رہ گئی ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خوب کر رہے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں اور اس سے ملاقات کا انکار کیا تو انکے عمل سب اکارت گئے اور قیامت کے دن ہم انکا کوئی وزن قائم نہیں کرینگے۔

وَهُمْ يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ يُحْسِنُونَ صُنْعًا (اور وہ (۲ ۷) سمجھتے ہیں کہ ہم بہت اچھا کام کر رہے ہیں) کسقدر ان لوگوں
[illegible]

خطباتِ جمعہ

خطبۂ اولیٰ ۲۲ محرم ۵۷ھ

الحمد للہ نحمدہٗ ونستعینہ ونستغفرہٗ ونؤمن بہ ونتوکل علیہ۔ ونعوذ باللہ من شرور انفسنا ومن سیأٰت اعمالنا۔ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لاشریک لہ واشھد ان سیدنا محمداً عبدہٗ ورسولہ۔

ساری تعریفیں اللہ کیلیے ہیں اور اللہ ہی کو پہنچتی ہیں۔ ہم اسکی حمد وثنا کرتے ہیں۔ اس سے مدد مانگتے ہیں۔ اس سے اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں۔ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ ہم خدا سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں خود اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے بچائے۔ اللہ جسکو ہدایت دے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ اور اللہ ہی جسکو ہدایت نہ دے اسے کوئی سیدھے راستہ پر نہیں لگا سکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ کوئی معبود اُس خدا کے سوا نہیں جو ایک ہے اور کوئی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور میں گواہی دیتا ہوں کہ ہمارے آقا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

برادران اسلام۔ میں ایک دور دراز علاقے کا رہنے والا، اپنا گھر بار اور اپنے عزیزوں اور دوستوں کو چھوڑ کر آپکی اس بستی میں صرف اسلیے آیا ہوں کہ میں اسلام اور مسلمانوں کی کچھ خدمت کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے یہاں کوئی لالچ کھینچ کر نہیں لایا ہے۔ نہ میں آپ سے کسی اجرت کا طالب ہوں۔ میں آپکے لیے اور سب مسلمانوں کیلیے دنیا اور عاقبت کی بھلائی چاہتا ہوں، اور اس کام میں اگر مجھے کوئی

لالچ ہے تو وہ بس اتنا ہے کہ شائد اس طرح میرا مالک مجھ سے راضی ہو جائے اور میرے گناہوں کو بخش دے۔

بھائیو! اگر تمہارا دل گواہی دے کہ اس کام میں میری مدد کرنا تمہارا فرض ہے، تو میری مدد کرو۔ اور میری مدد اسکے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ خدا اور اسکے رسول کی تعلیم کے مطابق جو کچھ میں تم سے کہوں اس کو قبول کرو اور جس بات سے منع کروں اس سے باز آجاؤ، اور تمہاری فلاح دارین کیلیے جو کام میں کروں اس میں میرا ساتھ دو۔ اگر تم ایسا کروگے تو خدا اپنے فضل سے میری اور تم سب کی تائید کریگا، اور ہمیں کامیابی عطا کریگا، کیونکہ خدا اپنی رحمت سے کسی ایسی جماعت کو کبھی محروم نہیں کرتا جو اسکے حکموں پر چلنے والی اور اسکی راہ میں جہاد کرنے والی ہو۔

بھائیو! مجھے نہ علم میں کامل ہونیکا دعویٰ ہے اور نہ عمل میں کامل ہونیکا۔ میں تو گنا ہوں کی دنیا سے بھاگ کر یہاں پناہ لینے آیا ہوں تاکہ شائد یہاں مجھ کو اپنی اصلاح کرنے اور پورا مسلمان بن جانے کا موقع مل جائے۔ جسطرح دوسرے انسانوں کے علم اور عمل میں کوتاہیاں ہیں اسی طرح میرے علم و عمل میں بھی ہیں۔ اسلیے میں کبھی یہ نہ چاہونگا کہ تم آنکھیں بند کرکے میری پیروی کرو اور اگر میں غلطی بھی کروں تو اس میں میرا ساتھ دو۔ نہیں۔ تم میں سے ہر شخص کو اپنے دین کے معاملہ میں چوکنا رہنا چاہیے، اور دیکھنا چاہیے کہ جو کچھ میں کہتا ہوں خدا اور رسول کی تعلیم کے مطابق کہتا ہوں یا نہیں۔ اگر تمہیں شبہ ہو تو مجھ سے دلیل طلب کرو۔ اگر میں غلطی کروں تو مجھے ٹوک دو اور میری اصلاح کرو۔ اور اگر کبھی تم دیکھو کہ میں خدا نخواستہ گمراہ ہو گیا ہوں تو میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ مجھے اپنی بستی سے نکال دینا۔

یہ چند باتیں تھیں جو سب سے پہلے میں آپ لوگوں کے گوش گذار کرنا چاہتا تھا۔ اسکے بعد، چونکہ آج آپکی نماز جمعہ میں یہ میرا پہلا خطبہ ہے، اسلیے میں آج کے خطبہ میں صرف جمعہ ہی کے متعلق آپکے سامنے کچھ باتیں بیان کرونگا۔ مجھے امید ہے کہ آپ لوگ ان باتوں کو غور سے سنینگے اور یہاں سے واپس جاکر اپنے ان بھائیوں

کو بھی سنا دینگے جو یہاں نماز میں شریک نہیں۔

جمعہ کے احکام سننے سے پہلے آپکو یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ جمعہ دراصل ہے کیا چیز؟ شریعت نے جتنی عبادتیں آپ پر فرض کی ہیں انکے دو مقصد ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ آپ میں سے ہر شخص اپنی اپنی جگہ نیک اور پرہیزگار اور خدا ترس بنے۔ اور دوسرا مقصد یہ ہے کہ خدا کے سب پرہیزگار بندے مل کر ایک جماعت بن جائیں، اور ایک دوسرے کے مددگار بنکر اپنی مجموعی طاقت سے دنیا میں نیکی اور پرہیزگاری اور خدا ترسی کو پھیلائیں۔ اسی لیے آپ دیکھتے ہیں کہ تمام عبادتیں اس طرح پر فرض کی گئی ہیں کہ ان سے یہ دونوں مقصد ساتھ ساتھ حاصل ہو جاتے ہیں۔ روزے کو فرض کیا تو اس طرح کہ سارے مسلمانوں کیلیے ایک ہی مہینہ مقرر کر دیا تاکہ سب ملکر ایک وقت میں روزہ رکھیں۔ یہ نہیں کیا کہ ہر شخص الگ الگ جب چاہے روزہ رکھے اور سال بھر میں تیس روزے پورے کرلے۔ حج فرض کیا تو ساری دنیا کے مسلمانوں کیلیے ایک تاریخ مقرر کی تاکہ تمام حاجی ایک وقت میں ایک جگہ جمع ہوں۔ یہ نہیں کیا کہ اپنی سہولت دیکھ کر جب جسکا جی چاہے حج کر آئے۔ زکوٰۃ فرض کی تو ہر جگہ کے مالدار مسلمان کیساتھ اسکے غریب بھائی کا جوڑ لگا دیا۔ اسی طرح نماز بھی جب فرض کی تو ساتھ ہی جماعت کی بھی سختی کے ساتھ تاکید کر دی۔

لیکن نماز کا معاملہ دوسری عبادتوں سے ذرا مختلف ہے۔ روزے سال بھر میں ایک مہینہ کیلیے ہیں۔ حج اور زکوٰۃ سال میں صرف ایک مرتبہ کیلیے ہیں۔ مگر نماز تو روزانہ پانچ مرتبہ فرض ہے اس میں ہر وقت جماعت کی پابندی کیسے ہو سکتی ہے۔ ہر شخص کیلیے ہر نماز کو اگر جماعت کیساتھ ادا کرنا فرض کر دیا جائے تو بڑی مشکل ہو، اسلیے اللہ تعالیٰ نے پانچ وقت کی نمازوں میں جماعت کی تاکید تو سختی کیساتھ فرمائی مگر اس کو ایسا فرض نہیں کیا کہ بغیر جماعت کے نماز ہی نہ ہو۔ اس کے معاوضہ میں یہ حکم دیا کہ روزانہ پانچ وقت کے بجائے صرف ہفتہ میں ایک وقت کی نماز جماعت کیساتھ ادا کرنا تمام مسلمانوں پر فرض ہے، ایسا فرض کہ جماعت کے بغیر یہ نماز ادا ہی نہ ہوگی، اور اس میں زیادہ سے زیادہ مسلمانوں

کو اکٹھا ہونا چاہیے - یہی وہ نماز ہے جسکو نمازِ جمعہ کہتے ہیں -

اب جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں، تمام عبادتوں کی طرح نماز سے بھی شریعت کے دو مقصد ہیں - ان میں سے پہلا مقصد، یعنی ہر ہر شخص کو خدا ترس اور پرہیزگار بنانا تو پنجوقتہ نماز سے حاصل ہو جاتا ہے، مگر دوسرا مقصد، یعنی خدا ترس بندوں کو ایک جماعت بنانا پنجوقتہ نمازوں سے پوری طرح حاصل نہیں ہوتا - اس مقصد کی تکمیل صرف جمعہ ہی سے ہوتی ہے - اسی لیے اللہ اور اسکے رسول نے جمعہ کی اسقدر سخت تاکید کی ہے کہ کسی دوسری عبادت کی نہیں کی، اور اسی لیے کہا گیا ہے کہ جمعہ کو جو شخص جان بوجھ کر چھوڑتا ہے وہ مومن نہیں بلکہ منافق ہے - اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ - ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنتُمْ تَعْلَمُونَ -	اے ایمان والو! جب جمعہ کی نماز کیلیے پکارا جائے تو خدا کی یاد کیلیے دوڑو اور خرید و فروخت چھوڑ دو یہ تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو -

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا -

من ترک ثلث جمعات من غیر عذر کتب من المنافقین -	جس نے بغیر کسی عذر کے مسلسل تین جمعے چھوڑ دیے اس کا نام منافقین میں لکھا گیا -

غور کرو، کتنے مسلمان ہیں جو تین جمعے کیا، سینکڑوں قصداً چھوڑ جاتے ہیں، حتیٰ کہ جن کو جمعہ کے روز یہ احساس بھی نہیں ہوتا کہ آج ان پر کوئی چیز فرض ہے، اور پھر بھی وہ اپنے آپ کو مسلم اور مومن سمجھتے ہیں -

دوسری حدیثوں میں ہے :

من کان یومن باللہ والیوم الاخر فعلیہ الجمعۃ... فمن استغنی بلھو او تجارۃ استغنی	جو کوئی اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس پر تو جمعہ فرض ہے ... اور جو کھیل کود یا کاروبار

اللہ عنہ و اللہ غنی حمید کی خاطر جمعہ سے بے پروا ہو جائے، اللہ اس سے بے پروا ہو جائیگا اور اللہ پاک بے نیاز ہے۔

لینتھین اقوام عن ودعھم الجمعات او لیختمن اللہ علی قلوبھم ثم لیکونن من الغافلین — لوگ جمعہ کی نماز چھوڑنے سے باز آجائیں ورنہ اللہ ان کے دلوں پر مہر کردیگا اور وہ بھی غافلوں میں سے ہو جائینگے۔

ایک حدیث میں تو حضور نے یہاں تک فرمایا ہے کہ

لقد ھممت ان امر رجلا یصلی بالناس ثم احرق علی رجال یتخلفون عن الجمعۃ بیوتھم — میرا جی چاہتا ہے کہ اپنی جگہ کسی کو نماز پڑھانے کیلیے کھڑا کردوں اور ان لوگوں کے گھروں میں آگ لگادوں جو جمعہ چھوڑے بیٹھے ہوں۔

دیکھیے تو سہی۔ نبی کریم جو اپنی امت پر باپ اور ماں سے زیادہ شفیق تھے، اور جنکی رحم دلی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ کسی چیونٹی کو بھی تکلیف دینا انہیں گوارا نہ تھا، انکے دل میں اس گناہ پر کتنی بڑی سزا دینے کا خیال آیا ہے۔ اس سے اندازہ کیجیے کہ یہ کیسا سخت جرم ہے۔ مختصر الفاظ میں، میں صرف اتنا کہونگا کہ جو شخص جمعہ کو چھوڑتا ہے وہ اسلام کے اصل مقصد کو ضائع کرتا ہے۔ وہ دین کی جڑ پر ضرب لگاتا ہے، اور مسلمانوں کی جماعت میں رہ کر اس بنیاد کو توڑتا ہے جس پر مسلمانوں کی جماعت قائم کی گئی ہے۔ اسکی مثال ایسی ہے۔ جیسے کوئی شخص جس کشتی میں بیٹھا ہوا اسی میں سوراخ کر رہا ہو تا کہ خود بھی ڈوبے اور اپنے ساتھ دوسرے مسافروں کو بھی لے ڈوبے۔ ایسا شخص منافق نہیں تو کیا مومن کہا جائیگا؟

اب آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ آپکا فرض کیا ہے۔ آپ کو نہ صرف خود سختی کیساتھ جمعہ کی پابندی کرنی چاہیے، بلکہ اپنے بھائیوں، دوستوں، ہمسایوں، اور اپنے بالغ بچوں کو بھی ساتھ لانا چاہیے اور جو لوگ جمعہ سے غفلت کر رہے ہوں انہیں ہر طرح سمجھا کر، منا کر، منت سماجت کر کے، اور اگر نہ مانیں

تو ڈانٹ ڈپٹ کر آمادہ کرنا چاہیے کہ جمعہ کی نماز میں حاضر ہوں۔

اس سلسلہ میں ایک اور غلط فہمی ہے جسکو میں رفع کر دینا چاہتا ہوں۔ بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ دیہات میں چونکہ جمعہ کی نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے اسلیے دیہات کے باشندوں پر یہ نماز فرض ہی نہیں لیکن یہ خیال غلط ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جمعہ کا مقصد چونکہ مسلمانوں کو جمع کرنا ہے، اسلیے الگ الگ چھوٹے چھوٹے دیہات میں جہاں مسلمانوں کی تھوڑی تھوڑی آبادیاں ہوں، جمعہ قائم کرنے سے روک دیا گیا، کیونکہ اسطرح جمعے کا مقصد پورا نہیں ہوتا۔ مگر اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ دیہات کے مسلمانوں پر جمعہ فرض نہیں رہا، بلکہ اسکا مطلب یہ ہے کہ ان کو ہر طرف سے سمٹ کر کسی ایک مرکزی مقام پر جمع ہونا چاہیے اور بہت سے دیہات کے مسلمانوں کو ملکر ایک جگہ نماز پڑھنی چاہیے۔ لہذا آپ لوگ جو دیہات میں رہتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ آپ سے جمعہ ساقط ہے۔ یہ فرض آپ پر بھی اسیطرح عائد ہوتا ہے جسطرح شہر والوں پر ہے، البتہ آپ الگ الگ اپنے قریوں میں نہ پڑھیں، بلکہ ایک مرکز پر جمع ہو جایا کریں۔

جمعہ کے دوسرے ضروری احکام بھی مختصر طور پر بیان کیے دیتا ہوں۔ آج کے روز غسل کرنا سنت ہے، اور اسکی تاکید کی گئی ہے۔ خدا نے اس دن کو مومنوں کیلیے عید بنایا ہے، اسلیے اس میں جسم کو صاف اور پاک کیجیے۔ جو اچھے سے اچھے کپڑے اللہ نے آپ کو دیے ہوں وہ پہنیے اور ممکن ہو تو خوشبو بھی لگائیے۔ مسجد میں داخل ہو کر بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز ضرور پڑھیے، اسکی بھی تاکید ہے۔ اسکے بعد آپ چاہیں تو نفل پڑھیں اور چاہیں خاموش بیٹھ کر خدا کو یاد کریں۔ جب امام خطبہ دینے کھڑا ہو تو بات چیت بند کر دیں اور خطبہ کو توجہ کے ساتھ سنیں۔ اگر کوئی شخص بات کرے تو اسے اشارہ سے منع کیجیے، زبان سے کچھ نہ بولیے۔ کیونکہ جرم کرنے والے کو روکنے کیلیے خود جرم کرنا حماقت ہے۔ نماز کیلیے جب آپ کھڑے ہوں تو صفیں سیدھی کیجیے۔ ٹیڑھی بنگی صفیں نہ ہونی چاہییں۔ نماز جمعہ کے بعد احتیاط الظہر پڑھنا غلطی ہے اور محققین نے اسکے خلاف فتویٰ دیا ہے۔ صرف دو چار رکعتیں بطور سنت پڑھنی چاہییں۔

خطبۂ ثانیہ | الحمد للہ العلی العظیم والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم

حاضرین! میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ دیہات کے مسلمانوں پر بھی جمعہ اسی طرح فرض ہے جس طرح اہلِ شہر پر ہے، البتہ ان کو الگ الگ اپنے قریوں میں پڑھنے کے بجائے ایک مرکزی مقام پر جمع ہونا چاہیے۔ اب اس علاقہ کیلیے جو انتظام میں نے سوچا ہے وہ آپکے سامنے بیان کر دیتا ہوں۔ نماز کے بعد آپ لوگ مجھے بتا دیں کہ آیا یہ انتظام آپ کو پسند ہے یا نہیں۔

آپ کو معلوم ہے کہ جمال پور کی اس بستی سے متصل ایک جگہ "دارالاسلام" کے نام سے آباد کی جا رہی ہے۔ ہمارا مقصد اس مقام کو اسلام کا ایک مرکز بنانا ہے، اور اسی مقام پر بیٹھ کر ہم اس علاقہ میں اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کرنا چاہتے ہیں۔ اسلیے میری رائے میں یہ مناسب ہے کہ آئندہ سے دارالاسلام کی مسجد کو اس علاقہ کی جامع مسجد قرار دیا جائے۔ گرد و پیش کے دیہات میں سے جو لوگ پانچ پانچ میل کی حد میں رہتے ہوں ان سب کو جمعہ کیلیے اس مسجد میں آنا چاہیے۔ اگرچہ یہاں ابھی کوئی بازار نہیں ہے اور آپ لوگوں کو کچھ عرصہ تک اس سے تکلیف ضرور ہوگی، کیونکہ جمعہ کیلیے مرکزی مقام ایسا ہی ہونا چاہیے جہاں سے دیہات کے لوگ نماز پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنی ضروریات کی چیزیں بھی خرید کرلے جا سکتے ہوں۔ لیکن یہ تکلیف بہت جلد رفع ہو جائیگی۔ یہاں ہر قسم کی دوکانیں کھولنے کا انتظام کیا جا رہا ہے، اور مجھے امید ہے کہ یہ انتظام عنقریب ہو جائیگا۔

پانچ میل کی حد محض سہولت کو مدنظر رکھ کر مقرر کی گئی ہے۔ آگے چل کر اس حد کو زیادہ وسیع کیا جا سکتا ہے۔ شرعی مسئلہ یہ ہے کہ جن دیہات کے باشندے جامع مسجد میں نماز پڑھکر رات سے پہلے پہلے اپنے گھر پہنچ سکتے ہوں انکو جامع مسجد میں آنا چاہیے۔ اس لحاظ سے ہم باہمی مشورہ کر کے اور آمد و رفت کے ذرائع کو پیشِ نظر رکھ کر اس حد کو گھٹا یا بڑھا سکتے ہیں۔

آئیے، اب درود و سلام بھیجیے اپنے آقا اور مولیٰ رسول رب العلمین و خاتم النبیین پر۔
اللھم صلّ علی محمد و علیٰ آل محمد و بارک و سلم۔ اسکے بعد دعائے رحمت کیجیے حضور کے اصحاب و اہل بیت پر اور خصوصاً آپکے خلفاء حضرات ابوبکر صدیق، عمر ابن الخطاب، عثمان ابن عفان اور علی ابن طالب پر جو نبی کریم کا صحیح اتباع کر کے ہمارے لیے ایک روشن راستہ چھوڑ گئے ہیں، رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ۔ اسکے بعد دعا کیجیے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمکو راہ راست پر قائم رکھے، اور گمراہی سے بچائے۔ خدایا ہمیں حق کو حق کر کے دکھا اور اسکی پیروی کی توفیق دے۔ اور ہمیں باطل کو باطل کر کے دکھا اور اس سے بچنے کی توفیق دے۔ خدایا جو تیرے دین کی مدد کرے تو اسکی مدد کر اور ہمیں اس کا ساتھی بنا۔ اور جو تیرے دین سے منہ پھیرے، تو بھی اس سے منہ پھیرے اور ہمیں اسکے فتنہ میں پڑنے سے بچا۔

عباد اللہ۔ ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربیٰ وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی یعظکم لعلکم تذکرون۔ اذکروا اللہ یذکرکم وادعوہ یستجب لکم ولذکر اللہ تعالیٰ اعلیٰ واولیٰ واعز واجل واھم واتم واقویٰ واکبر۔

نوٹ۔ نماز کے بعد تمام حاضرین نے بالاتفاق دار الاسلام کی مسجد کو جامع مسجد قرار دیا اور اس کے بعد سے وہاں اقامتِ جمعہ کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

"سچ" کے بجائے "صدق"

یکم مئی ۳۵ء سے ۱۷×۲۷/۴ ۲۰ پونڈ سفید چکنے کاغذ پر ہر مہینہ کی یکم - گیارہ اور اکیس کو شائع ہوتا ہے ہمکو معلوم ہے کہ صاحب ذوق حضرات جو مولینا عبدالماجد صاحب دریابادی کے طرز انشار کے عاشق ہیں اور آپ کے مخصوص دلنشین طرز صحافت کیلیے آپکے اخبار "سچ" کے بند ہونیکے بعد سے بیتاب تھے - اس مژدہ کو صحیح معنوں میں مژدہ سمجھیں گے - لہذا شایقین حضرات اپنا اپنا چندہ قیمتی چار روپیہ جلد روانہ فرماکر خریداران کے رجسٹر میں اپنا نام درج کرالیں ورنہ بعد کو پچھلے پرچہ وستیاب نہ ہونے پر پچھتانا پڑیگا - "صدق" ہر اعتبار سے "سچ" سے بڑھا ہوا ہے - معنوی حیثیت سے مضامین قرآنی کا اضافہ -

سالانہ چندہ (للعہ) ترسیل زر بنام منیجر اخبار "صدق" ۳۴ ہیوٹ روڈ لکھنؤ

بچوں کیلیے مفید کتابیں

ہمارے پیارے رسول اس مختصر کتاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک اور آپکے عادات وخصائل لباس معاشرت، اخلاق آداب واطوار اور عام طرز زندگی کے متعلق تمام معلومات جمع کی گئی ہیں، اور انکو بہت سہل زبان اور دلکش انداز بیان میں لکھا گیا ہے جیبی تقطیع پر بہت خوبصورت طبع ہوئی ہے - قیمت ۴ر

ہمارے نبی کے صحابہ اس کتاب میں صحابہ کرام کی زندگی کے سبق آموز واقعات نہایت سلیس زبان اور دلنشین انداز بیان کیساتھ درج کیے گئے ہیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ بزرگوں کے اخلاق، دینداری، احسن معاشرت اور نیک معاملات کا حال معلوم ہوتا ہے، اور انکے نقش قدم پر چلنے کا شوق پیدا ہوتا ہے قیمت قسم اول ۸ر قسم دوم ۶ر - علاوہ محصولڈاک -

مسلمان بیبیاں یہ کتاب ہمارے نبی کی صحابیہ خواتین کے حالات پر مشتمل ہے جس میں ان پاک ہستیوں کی زندگی کو مسلمان لڑکیوں کیلیے بطور نمونہ پیش کیا گیا ہے - زبان اسقدر سادہ ہے کہ کم سن بچیاں بآسانی اسکو سمجھ سکتی ہیں قیمت ۸ر علاوہ محصولڈاک

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے

Regd. No. L. 4186.

الجہاد فی الاسلام

تالیف

ابوالاعلیٰ مودودی

مختصر فہرست مضامین حسب ذیل ہے

(۱) اسلامی جہاد کی حقیقت - اسمیں بتایا گیا ہے کہ قرآن کی تعلیم جہاد کن اہم حقائق پر مبنی ہے اور نظام تمدن میں جہاد کا کیا مرتبہ ہے -

(۲) مدافعانہ جنگ - وہ اغراض جنکے لیے قرآن نے دفاعی جنگ کا حکم دیا ہے -

(۳) مصلحانہ جنگ - اصلاحی جنگ کے اصول و مقاصد کی تشریح اور ان اعتراضات کا مدلل جواب جو اس نوع کی جنگ پر کیے جاتے ہیں -

(۴) اشاعت اسلام اور تلوار - دعوت و تبلیغ کے متعلق اصول تعلیم اسلامی کی تشریح اور اس امر کی تحقیق کہ اشاعت اسلام میں تلوار کا کیا حصہ ہے - (۵) قوانین جنگ - اسلام سے قبل کے وحشیانہ طریقہائے جنگ اور ان میں اسلام کی اصلاحات - (۶) جنگ دوسرے مذاہب میں - جنگ کے متعلق ہندو مذہب بودھ مذہب، یہودیت، اور مسیحیت کی تعلیمات اور ان پر تبصرہ - (۷) جنگ اور تہذیب جدید - بین الاقوامی قوانین جنگ سے اسلامی قوانین جنگ کا مقابلہ - قیمت غیر مجلد (للعہ) مجلد (صہ)

دفتر ترجمان القرآن سے طلب کیجیے

باہتمام چودھری نیاز علی خاں طابع و ناشر ہاشمائی برقی پریس امرتسر میں طبع ہوا
اور دفتر ترجمان القرآن - دارالاسلام (پٹھان کوٹ) سے شائع ہوا